تصنیف
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

پروفیسر غلام احمد حریری
تقدیم، تحقیق، تخریج: محمد خالد سیف

ائمہ سلف اور اتباع سنت

علم سیکھنا عبادت، سیکھانا صدقہ جاریہ ہے
یہ کتاب "فی سبیل اللہ" تقسیم کی گئی ہے

● — ائمہ اربعہ کا عمل بالحدیث

● — کوئی امام تارکِ حدیث نہیں

● — بعض احادیث پر ترکِ عمل

کے اسباب —

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و تفہیم : پروفیسر غلام احمد حریری ● تقدیم، تحقیق، تخریج : محمد خالد سیف

اہتمام .... محمد سرور طارق

اشاعت سوم .... نومبر 2001ء

طباعت .... زاہد بشیر پریس

TARIQ ACADEMY
D/Ground (samosa chok)
Faisalabad, PAKISTAN.
☎ 0092 41 546964 Fax:0092 41 733360
E-mail: tariqacademy1974@yahoo.com

ڈسٹری بیوٹر

دارالسلام
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
ریاض.... ہیوسٹن .... لاہور

1. 50 لوئر مال نزد ایم۔ اے۔ او۔ کالج لاہور
فون 7240024 فیکس 7354072

2. غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون 7120054 فیکس 7320703

قیمت 70 روپے

فہرست

فرمان الٰہی

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (النساء۔ ۶۵)

تمہارے رب کی قسم، یہ کبھی مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔
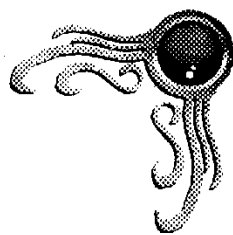
رسول اللہ ﷺ کی آخری وصیت

حضرت مالک بن انسؓ سے روایت ہے کہ سرور کائناتؐ نے فرمایا۔

تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَاتَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّۃُ نَبِیِّہٖ

میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ جب تک تم ان دونوں پر عمل کرتے رہو گے، ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت۔

مفسّرِ قرآن

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

ان صحابہ کرامؓ سے شدید ناراض ہوئے' جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے ارشادات گرامی کے مقابلہ میں حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے اقوال کو پیش کیا اور فرمایا

یوشك ان تنزل عليكم حجارة من السماء اقول قال رسول ﷺ وتقولون قال ابوبكر و عمر[1]

مجھے خدشہ ہے کہ تم پر کہیں آسمان سے پتھر نہ برسیں کہ میں تو کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے اور تم کہتے ہو کہ ابوبکرؓ و عمرؓ نے یہ کہا ہے

[1] فتح المجید ص ۳۸۳' فتاویٰ شیخ الاسلام ۲۰-۲۱۵

حکیم الامت

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

مَامِنْ اَحَدٍ اِلاَّ وَھُوَ مَاخُوْذٌ مِنْ کَلاَمِہٖ وَمَرْدُوْدٌ عَلَیْہِ
اِلاَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رسول کریم ﷺ کے سوا دنیا میں کوئی شخص ایسا پیدا نہیں ہوا' جس کی ہر بات صحیح تسلیم کرلی جائے۔

حضرت شاہ صاحب کا یہ استدلال قرآن حکیم کی اس آیت سے ماخوذ ہے

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلاَّ وَحْیٌ یُّوْحٰی

وہ (رسول) اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا' بلکہ وہ وحی الٰہی ہوتی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔ (حجتہ اللہ البالغہ" ص ۱۴۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

دین اسلام محض کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے تعبیر ہے یعنی دین اسلام کے اصول و فروع اور قواعد و ضوابط صرف اور صرف کتاب و سنت پر استوار ہیں' ادلہ شرعیہ کے ضمن میں جن دیگر چیزوں کو بیان کیا جاتا ہے' ان کی حیثیت ثانوی ہے' جب کہ کتاب و سنت دین اسلام کی روح کی غذا' اس کے قلب کی دھڑکن اور اس کے ضمیر کی صدا ہے۔ زمانہ اگرچہ ہزاروں کروٹیں لے چکا ہے' سائنس اور ٹیکنالوجی نے عجب عجب کرشمے دکھائے ہیں' ہر صبح بے شمار تبدیلیاں لے کر طلوع ہوتی اور ہر شام نئے نئے انقلابات کو اپنے دامن میں لپیٹ کر لباس شب زیب تن کرتی ہے' مگر قرآن و سنت کے انوار و تجلیات کی چمک دمک میں سر مو فرق نہ آیا' کتاب و سنت کے اصول' قواعد' ضوابط اور قوانین آج بھی اسی طرح اٹل ہیں اور آج بھی ان میں وہی سج دھج ہے' جو آج سے چودہ سو برس قبل ان کا سرمایہ افتخار تھی۔ الغرض کتاب و سنت ہی دین اسلام کے اصلی اور بنیادی مآخذ ہیں اور جب ان میں سر مو فرق نہیں آیا بلکہ رشد و ہدایت کے یہ منارہ نور اسی طرح جگمگا رہے ہیں' جس طرح امام کائنات' فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے عصر مبارک اور عہد ہمایوں میں جگمگاتے تھے' تو پھر اس امر کی کیا ضرورت ہے کہ رشد و ہدایت اور ایمان و ایقان کے جگمگاتے ہوئے آفتاب و ماہتاب سے کسب ضو کی جائے' ہم ٹمٹماتے ہوئے چراغوں سے روشنی حاصل کرنے کی کوشش کریں؟ ؎

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ بر جان مسلم داشتن

کتاب اللہ کی اس عظمت اور اہمیت پر تو مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کا اتفاق ہے' مگر جب سنت رسول اللہ ﷺ کی باری آتی ہے تو وہ اس کی تاویل کرنا شروع کر دیتے ہیں

اور مختلف ائمہ فقہا کے اقوال کو وہ حیثیت دینا شروع کر دیتے ہیں' جو در حقیقت سنت رسول اللہ کا مقام و مرتبہ ہے' یہی وجہ ہے کہ ان تمام حضرات ائمہ کرام و فقہاء عظام میں سے ہر ایک نے خود اس بات کی وضاحت فرما دی ہے کہ ان کے اقوال دین میں حجت نہیں ہیں بلکہ دین میں حجت صرف اور صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِيْ [1]

(جب حدیث صحیح ہو تو میرا مذہب وہی ہے)

آپ سے یہ ارشاد بھی مروی ہے:

لاَ يَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ يَّاْخُذَ بِقَوْلِنَا مَا لَمْ يَعْلَمْ مِنْ اَيْنَ اَخَذْنَاهُ [2]

(کسی کے لیے یہ حلال ہی نہیں کہ وہ ہمارے قول کے مطابق عمل کرے جب تک کہ اسے یہ معلوم نہ ہو کہ ہمارے قول کا مأخذ کیا ہے)

آپ سے ایک یہ قول بھی منقول ہے:

حَرَامٌ عَلٰى مَنْ لَّمْ يَعْرِفْ دَلِيْلِيْ اَنْ يُّفْتِيَ بِكَلَامِيْ [3]

(جسے میری دلیل کا علم نہ ہو تو اس پر میرے قول کے ساتھ فتویٰ دینا حرام ہے)

آپ نے یہ بھی فرمایا:

فَاِنَّنَا بَشَرٌ نَقُوْلُ الْقَوْلَ الْيَوْمَ وَ نَرْجِعُ عَنْهُ غَدًا [4]

(ہم بھی انسان ہیں' آج ایک بات کہتے ہیں اور کل اس سے رجوع کر لیتے ہیں)

آپ نے اپنے شاگرد رشید قاضی ابو یوسف کو ایک مرتبہ مخاطب کرتے ہوئے [5]

---

(۱) ردالمحتار حاشیہ درالمختار ج ۱ ص ۶۳ (۲) الانتقاء فی فضائل الثلاثة الائمة الفقهاء 'لابن عبدالبر ص ۱۴۵' لاعلام الموقعین ' ابن قیم ج ۲ ص ۳۰۹' حاشیہ ابن عابدین علی البحرالرائق ج ۳ ص ۲۹۳' رسم المفتی ص ۲۹۔۳۲' میزان شعرانی ج ۱ ص ۵۵

(۳) ایضاً (۴) ایضاً (۵) ایضاً

فرمایا: افسوس ہے تجھ پر اے یعقوب! ہر بات جو مجھ سے سنتے ہو' اُسے نہ لکھا کرو' کیونکہ میں آج ایک رائے اختیار کرتا ہوں اور کل اسے چھوڑ دیتا ہوں اور کل ایک رائے اختیار کرتا ہوں اور اسے پرسوں ترک کر دیتا ہوں۔

اس طرح آپ سے ایک یہ ارشاد بھی منقول ہے:

اِذَا قُلْتُ قَوْلاً یُّخَالِفُ کِتَابَ اللّٰہِ تَعَالیٰ وَ خَبَرَ الرَّسُوْلِ ﷺ فَاتْرُکُوْا قَوْلِیْ (۱)

(جب میرا قول کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ کے خلاف ہو تو میرے قول کو ترک کر دو)

اس طرح حضرت امام مالکؒ سے بھی مروی ہے:

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اُخْطِئُ وَ اُصِیْبُ ' فَانْظُرُوْا فِیْ رَأْیِ فَکُلُّ مَا وَافَقَ الْکِتَابَ وَ السُّنَّۃَ فَخُذُوْہُ ' وَ کُلُّ مَالَمْ یُوَافِقِ الْکِتَابَ وَالسُّنَّۃَ فَاتْرُکُوْہُ (۲)

(میں بھی ایک انسان ہوں' میری بات غلط بھی ہو سکتی ہے اور صحیح بھی لہذا میری رائے کو دیکھ لیا کرو' جو کتاب و سنت کے مطابق ہو اسے لے لو اور جو کتاب و سنت کے مطابق نہ ہو تو اسے ترک کر دو۔)

اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کا ایک فرمان ہے جسے حکم بن عتیبہ اور مجاہد نے بھی بیان کیا ہے مگر یہ قول امام مالک کے نام سے مشہور ہو گیا ہے نیز یہ حضرت امام احمد سے بھی منقول ہے' بہر حال ان سب ائمہ سلف اور بزرگان دین کا فرمان ہے:

لَیْسَ اَحَدٌ بَعْدَ النَّبِیِّ ﷺ اِلاَّ وَ یُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِہٖ وَ یُتْرَکُ اِلاَّ

(۱) ایقاظ ھمم اولی الابصار' علامہ فلانی ص ۵۰

(۲) الجامع' ابن عبدالبر ج ۲ ص ۳۲' الاحکام فی اصول الاحکام' ابن حزم ج ۶ ص ۱۴۹

النَّبِیُّ ﷺ (۱)

(حضور سرور کائنات ﷺ کے سوا باقی ہر انسان کی بات کو قبول بھی کیا جا سکتا ہے اور رد بھی کیا جا سکتا ہے۔)

یعنی ساری کائنات میں سے صرف اور صرف امام کائنات، فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کا یہ مقام و مرتبہ ہے کہ آپ کی ہر ہر جنبشِ لب دین میں حجت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اعزاز عطا فرمایا ہے:

﴿وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى﴾ (۲)

(اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ (قرآن) تو حکم الٰہی ہے، جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے۔)

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں:

اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی اَنَّ مَنِ اسْتَبَانَ لَهٗ سُنَّةٌ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَحِلَّ لَهٗ اَنْ يَّدَعَهَا لِقَوْلِ اَحَدٍ (۳)

(مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی سنت واضح ہو جائے تو اس کے لیے یہ حلال نہیں کہ کسی کے قول کی وجہ سے سنت رسول ﷺ کو چھوڑ دے)

آپ نے یہ بھی فرمایا:

اِذَا وَجَدْتُّمْ فِیْ كِتَابِیْ خِلَافَ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُوْلُوْا بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ دَعُوْا مَا قُلْتُ، وَفِیْ رِوَايَةٍ فَاتَّبِعُوْهَا وَ لَا

(۱) ارشاد السالک، ابن عبد الهادی ج ۱ ص ۲۲۷، الجامع، ابن عبد البر ج ۲ ص ۹۱، الاحکام فی اصول الاحکام، لابن حزم ج ۶ ص ۱۴۵ (۲) النجم: ۳۔۴ (۳) اعلام الموقعین ج ۲ ص ۳۶۱، ایقاظ ص ۶۸

تَلْتَفِتُوْا اِلٰی قَوْلِ اَحَدٍ (۱)

(جب تم میری کسی بھی کتاب میں کوئی بات رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف پاؤ تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کو اختیار کرلو اور میری بات کو چھوڑ دو۔ ایک روایت میں ہے کہ سنتِ رسول کا اتباع کرو اور کسی کے قول کی طرف مت دیکھو)

آپ یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے:

اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَهُوَ مَذْهَبِیْ (۲)

(جب حدیث صحیح ہو تو میرا مذہب بھی وہی ہے)

امام شافعیؒ نے امام احمد کی خدمت میں عرض کیا:

اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِالْحَدِیْثِ وَالرِّجَالِ مِنِّیْ ' فَاِذَا كَانَ الْحَدِیْثُ الصَّحِیْحُ فَاَعْلِمُوْنِیْ بِهٖ اَیَّ شَیْءٍ یَكُوْنُ كُوْفِیًّا اَوْ بَصْرِیًّا اَوْ شَامِیًّا حَتّٰی اَذْهَبَ اِلَیْهِ (۳)

(آپ کو میری نسبت حدیث اور رجال کا زیادہ علم ہے۔ لہذا آپ کی تحقیق کے مطابق جب کوئی حدیث صحیح ہو تو مجھے بھی بتا دیا کریں خواہ وہ کوفی ہو یا بصری ہو یا شامی تاکہ حدیث کے صحیح ہونے کی صورت میں میں بھی اس کے مطابق عمل کروں)

آپ تو یہاں تک فرمایا کرتے تھے:

اِذَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اَقُوْلُ قَوْلاً وَ قَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ خِلاَفَهٗ فَاعْلَمُوْا اَنَّ عَقْلِیْ قَدْ ذَهَبَ (۴)

(۱) ذم الکلام' ہروی ۳/ ۴۷/ ۱' المجموع شرح المهذب' نووی ج ۱ ص ۶۳ (۲) میزان' شعرانی ج ۱ ص ۵۷ (۳) آداب الشافعی' ابن ابی حاتم ص ۹۴۔۹۵' حلیة الاولیاء' ابو نعیم ج ۹' ص ۱۰۶' الاحتجاج بالشافعی' خطیب ص ۸

(۴) آداب الشافعی' ابن ابی حاتم ص ۹۳' حلیة الاولیاء ج ۹ ص ۱۰۶' ابن عساکر ج ۱۵ ص ۱۰

(جب تم یہ دیکھو کہ میں ایک بات کہہ رہا ہوں اور آنحضرت ﷺ سے اس کے خلاف ثابت ہے تو جان لو کہ میری عقل جواب دے گئی ہے)

حضرت امام شافعیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے:

كُلُّ مَا قُلْتُ فَكَانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ خِلَافَ قَوْلِي مِمَّا يَصِحُّ فَحَدِيْثُ النَّبِيِّ ﷺ اَوْلٰى فَلَا تُقَلِّدُوْنِيْ (۱)

(میری ہر وہ بات جس کے خلاف نبی ﷺ کا فرمان صحیح سند سے ثابت ہو' تو میری تقلید نہ کرو بلکہ آنحضرت ﷺ کے فرمان پر عمل کرو)

اسی طرح حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے بھی واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا ہے:

لَا تُقَلِّدْنِيْ وَ لَا تُقَلِّدْ مَالِكًا وَ لَا الشَّافِعِيَّ وَ لَا الْاَوْزَاعِيَّ وَ لَا الثَّوْرِيَّ وَ خُذْ مِنْ حَيْثُ اَخَذُوْا (۲)

(میری تقلید نہ کرو' نہ مالک' شافعی' اوزاعی اور ثوری کی تقلید کرو بلکہ جہاں سے انھوں نے دین لیا ہے' تم بھی وہاں سے (یعنی کتاب و سنت سے) دین حاصل کرو)

اسی طرح آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

مَنْ رَدَّ حَدِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَهُوَ عَلٰى شَفَا هَلَكَةٍ (۳)

(جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو رد کر دے' وہ تباہی و ہلاکت کے کنارے پر ہے)

ان گزارشات سے قارئین کرام کے ذہن میں یقیناً یہ بات مستحضر ہو گئی ہو گی کہ مسلمانوں کے ہاں عموماً اور ائمہ سلف' محدثین کرام اور فقہاء عظام کے ہاں خصوصاً کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ سنت رسول ﷺ کی کیا اہمیت ہے تو ان حقائق کی روشنی میں آپ خود اندازہ

(۱) ابن عساکر ج ۱۵ ص ۹ (۲) ایقاظ الھمم ص ۱۱۳' اعلام الموقعین ج ۲ ص ۳۰۲

(۳) المناقب' ابن جوزی ص ۱۸۲

فرمائیں کہ مستشرقین کے اس مفروضہ کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے کہ احادیث نبوی یا اقوال صحابہ کا کوئی تعلق عہد نبوی و عہد صحابہ سے نہیں ہے بلکہ روایات کا سارا ذخیرہ بعد کے دور کی پیداوار ہے' ان کے خیال کے مطابق احادیث و اقوال صحابہ کا آغاز افراد کی ذاتی آراء کی حیثیت سے ہوا' جن کو مضبوط بنیاد فراہم کرنے کی غرض سے اسانید کا ایک پورا سلسلہ ایجاد کر لیا گیا۔ الغرض مغرب کے ان اہل علم کے اس طرح کے دعووں کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے منسوب یہ سارا ذخیرہ وضع و افتراء کی پیداوار ہے' جسے نیکی اور خدمت دین سمجھ کر سرانجام دیا گیا۔ ہمارے ہاں کے منکرین حدیث نے بھی انہی مستشرقین کی دریوزہ گری کی ہے اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ مستشرقین نے جس پر نیکی اور خدمت دین کی پھبتی کسی' ہمارے ہاں کے منکرین حدیث نے اسے عجمی سازش قرار دیا۔

مغربی اہل علم کا احادیث کے بارے میں منفی انداز کے سوال اٹھانا بلکہ ان کی صحت کا انکار کرنا آج کوئی نئی بات نہیں ہے' انیسویں صدی کے نصف آخر ہی سے ولیم میور' ز موئے سپرنگر' الفرڈ وان کریمر اور تھیوڈور نولیدکی جیسے معروف مغربی اہل علم کی تحریروں میں یہ رجحان کھل کر سامنے آ چکا تھا۔ انیسویں صدی کے اخر ہی میں یہ رجحان اگناز گولڈ تسیھر کی تحریروں میں اپنی پوری شدت اور قطعیت کے ساتھ نہایت بھرپور انداز میں ظاہر ہوا۔ گولڈ تسیھر نے اپنی اہم ترین تصنیف Muhammedanische studien کی دوسری جلد کو حدیث کے تنقیدی مطالعہ کے لیے وقف کیا ہے' اس کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ احادیث اور آثار کی اصل اہمیت یہ ہے کہ یہ دوسری اور تیسری صدی ہجری کے مسلم معاشرے کے فکری رجحانات اور فقہی آراء کے معلوم کرنے کا ایک اچھا ذریعہ ہیں۔

گولڈ تسیھر کے بعد بھی متعدد مغربی اہل علم نے تاریخ اسلام کی ابتدائی صدیوں کے مطالعہ کے سلسلے میں احادیث کی طرف کثرت سے رجوع کیا ہے' ان میں دو نام بہت نمایاں ہیں اور وہ ہیں ا۔ اے جے ونسنک اور (۲) جوزف شاخت ونسنک نے احادیث کی روشنی میں اسلامی عقائد کے ارتقاء کا مطالعہ کیا اور شاخت نے نہ صرف گولڈ تسیھر کے مفروضوں کی تصدیق کی بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا کہ مسلمانوں میں احادیث کو رسول اللہ ﷺ کی طرف

منسوب کرنے کا رواج کافی بعد میں شروع ہوا۔ انھوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ قانونی مسائل کے بارے میں رسول اکرم ﷺ سے مروی احادیث کی ایک بڑی تعداد کو ۱۵۰ھ کے قریب وضع کر کے لوگوں میں پھیلایا گیا اور یہ وہی دور تھا جب تحریری شکل میں احادیث کی روایت کا سلسلہ شروع ہوا۔ شاخت نے محدثین کے اصول و قواعد کے برعکس احادیث کی چھان بین کے لیے ایک قاعدہ وضع کیا جس کا مفہوم حسب ذیل ہے:

> "قانونی امور کے بارے میں نبی ﷺ سے مروی کسی حدیث کو۔۔۔ جب تک اس کے برعکس ثابت نہ ہو جائے۔۔۔ نبی ﷺ یا صحابہ کے دور کے لیے معتبر' یا بنیادی طور پر معتبر۔۔۔ اگرچہ کسی قدر مبہم۔۔۔ بیان کے طور پر تسلیم نہیں کیا جائے گا' بلکہ اسے بعد کے دور میں تشکیل پانے والے نظریہ کا ایک جعلی اظہار قرار دیا جائے گا۔"(۱)

شاخت نے ایک اور جگہ بھی لکھا:

> "جہاں تک مذہبی قانون (فقہ) کا تعلق ہے' اس کے بارے میں شاید ہی کسی حدیث کو قابل اعتماد قرار دیا جا سکے۔"(۲)

شاخت نے اپنی تحریروں میں اس نقطۂ نظر کو ثابت کرنے کے لیے اکثر مقامات پر "دلیل سکوت" (Argument Silentio) کا استعمال کیا ہے اور اس کے سہارے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں ان روایات کا سرے سے وجود ہی نہ تھا جو بعد کے دور میں ہمیں احادیث رسول ﷺ یا آثار صحابہ کی شکل میں ملتی ہیں۔(۳)

---

(۱) جوزف شاخت The Origins of Muhammadon Jurispnudence (فقہ اسلامی کا آغاز) ص ۱۴۹ طبع سوم ۱۹۵۰ء

(۲) جوزف شاخت An Introduction to Islamic Laws (فقہ اسلامی کا تعارف) ص ۳۴' لندن ۱۹۶۴ء

(۳) مستشرقین کے ان افکار و نظریات کے سلسلہ میں ہم نے جناب ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری ڈائریکٹر جنرل ادارہ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد کے اس لیکچر سے استفادہ کیا ہے' جو آپ نے ۳۰ ستمبر ۱۹۹۹ کو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے سیمینار روم میں صحت احادیث۔۔۔ جوزف شاخت کی "دلیل سکوت" کا تنقیدی جائزہ" کے زیر عنوان دیا تھا اور ہمیں بھی محترم ڈاکٹر صاحب کے اس لیکچر کو سننے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔

ہمارا مقصود مستشرقین کے حدیث سے متعلق افکار و نظریات اور ان پر تنقید و تبصرہ نہیں ہے بلکہ یہاں دو باتوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ ان میں سے ایک تو یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ ان مستشرقین کو آب و گل ہمارے اپنے ہی بعض کرم فرماؤں نے مہیا کیا ہے۔ بہت سے ائمہ کرام اور فقہاء عظام سے اگرچہ اس مفہوم کے ارشادات منقول ہیں، جن میں سے بعض کی طرف ہم قبل ازیں اشارہ کر آئے ہیں کہ کتاب و سنت کے مقابلہ میں ان کی رائے اور ان کے قول کی قطعاً کوئی حیثیت نہیں ہے، مگر برا ہو تعصب، گروہ بندی، اور فرقہ پرستی کا کہ جب اس نے بال و پر نکالے تو نوبت بایں جا رسید کہ علامہ کرخی نے صاف صاف کہہ دیا:

كُلُّ ايَةٍ اَوْ حَدِيْثٍ يخالف ما عليه اصحابنا فهو مؤول أو منسوخ (۱)

(ہر وہ آیت یا ہر وہ حدیث جو ہمارے اصحاب کے خلاف ہو گی، ہم اس کی تاویل کریں گے یا کہہ دیں گے کہ وہ منسوخ ہے)

اس فرقہ پرستی اور گروہ بندی کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے لوگ کتاب و سنت کی ہدایت سے محروم ہو گئے، اجتہاد کے دروازے کو بند قرار دے دیا گیا، شریعت کو اقوال فقہا اور اقوال فقہا کو دین و شریعت سمجھا جانے لگا۔ کتاب اللہ کی آیات کو منسوخ اور احادیث رسول کو بلا تحقیق مؤول قرار دیا جانے لگا۔ اگر اس سے بھی بات نہ بنی تو دیگر طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے آیات و احادیث کو مسترد قرار دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہ سمجھا گیا۔ بہر حال اس وقت تفصیل میں جانا مقصود نہیں ہے، صرف اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ فقہی تعصب میں مبتلا ہو کر بہت سی صحیح احادیث کا جو انکار کیا گیا، اس نے جوزف شاخت جیسے مستشرقین کو یہ حوصلہ بخشا کہ وہ برملا کہہ سکیں کہ جہاں تک مذہبی قانون (فقہ) کا تعلق ہے، اس کے بارے میں شاید ہی کسی صحیح حدیث کو قابل اعتماد قرار دیا جا سکے۔"

دوسری بات جس کی طرف ہم اشارہ کرنا چاہتے ہیں، وہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ

(۱) اصول الکرخی

کی عظمت و عبقریت، تبحر علمی اور دور اندیشی ہے کہ انھوں نے حدیث سے متعلق اس طرح کے شکوک و شبہات خواہ وہ اپنوں کی طرف سے ہوں یا بیگانوں کی طرف سے، قدیم منکرین کی طرف سے ہوں یا جدید مستشرقین و منکرین کی طرف سے جواب صدیوں پہلے اپنی اس مختصر مگر جامع اور اپنے موضوع کی منفرد کتاب ـــ رفع الملام عن الائمۃ الاعلام ـــ میں بہت علمی و تحقیقی انداز میں دے دیا تھا۔ کتاب کی اس اہمیت کے پیش نظر قریباً بیس سال قبل طارق اکیڈمی کی فرمائش پر ملک کے مشہور مصنف و مترجم جناب پروفیسر غلام احمد حریری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ـــ ائمہ سلف اور اتباع سنت ـــ کے نام سے اردو کے قالب میں ڈھالا اور طارق اکیڈمی نے مارچ ۱۹۸۰ء میں اسے زیور طباعت سے آراستہ کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اصل کی طرح اس کے ترجمہ کو بھی شرف قبولیت سے نوازا اور اس کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔

اپنی نشأتِ ثانیہ کے اس دور جدید میں بھی طارق اکیڈمی نے جن کتب کو زیور طباعت سے آراستہ کرنے کا پروگرام بنایا ہے، ان میں ایک بار پھر یہ کتاب شامل ہے۔

حضرت مولانا پروفیسر غلام احمد حریری رحمۃ اللہ علیہ نے بیسیوں کتابوں کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا، وہ بلاشبہ عربی زبان کے فاضل تھے، شائد یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی غیر شعوری طور پر ان کے نوک قلم پر ترجمہ کرتے ہوئے ایسے الفاظ بھی آجاتے ہیں جو اردو قارئین کے لیے ثقیل ہوتے ہیں، ایسے ہی کچھ ثقیل الفاظ کو اس اشاعت میں ہم نے قدرے آسان الفاظ میں بدل دیا ہے، علاوہ ازیں لائق احترام قارئین کی سہولت کے لیے کتاب میں مذکور اہم شخصیات کے مختصر تعارف، احادیث کی تخریج اور مسائل کی تحقیق کا بھی حواشی میں اضافہ کر دیا ہے، امید ہے اس کتاب کی افادیت ان شاء اللہ تعالیٰ بڑھ جائے گی۔!

اللہ رب ذوالجلال والاکرام کے حضور دعا ہے کہ وہ ہماری ان کج مج کوششوں کو شرف قبولیت سے نوازے اور اخلاص کے ساتھ اپنے دین کی تبلیغ واشاعت کی زیادہ سے زیادہ توفیق سے سرفراز فرمائے۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

محمد خالد سیف

۱۲ شعبان ۱۴۲۰ (۲۱ نومبر ۱۹۹۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی،

اَمَّا بَعْدُ:

دینِ اسلام میں مطاع حقیقی، حاکم علی الاطلاق، شارع اور مقنن اصلی اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔ رسل وانبیاء علیہم السلام اللہ کے دین کے داعی و مبلغ ہیں۔ سرورِ کائنات جناب محمد ﷺ کو آخری رسول بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ کی ذات گرامی پر رسالت و نبوت کے سلسلہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ اس لیے دین اسلام عبارت ہے اللہ اور رسول کریم ﷺ کی اطاعت واتباع سے۔ رسول کریم ﷺ کی اطاعت کو دین اسلام میں وہی حیثیت حاصل ہے، جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو۔ اس لیے کہ حضور ﷺ کی اطاعت بالواسطہ اللہ کی اطاعت ہے اور یہی مفہوم ہے حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا "مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ" (جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی)

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین خلفاء راشدین، محدثین کرام، فقہاء عظام اور علماء سلف آپ کے ترک کردہ دینی ورثہ کے وارث قرار پائے اور وہی خدمت انجام دیتے رہے، جو حضور ﷺ سے قبل انبیاء علیہم السلام دین کی دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں انجام دیا کرتے تھے۔ ان کی موجودگی میں کسی نئے نبی کی ضرورت نہ تھی۔ ختم نبوت و سلسلہ وحی کے انقطاع میں یہی نکتہ مضمر ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے عصر و عہد اور آپؐ کے بعد عہد صحابہ، تابعین واتباع تابعین میں آپؐ کے اقوال واعمال کی جمع و تدوین کا آغاز ہوا، بلکہ آپؐ کے صحابہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے درویش منش بھی تھے، جنھوں نے اپنی حیات مستعار حفظ احادیث کے لیے وقف کر دی۔ صحابیات میں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس ضمن میں ناقابل

فراموش خدمات انجام دیں۔ حتیٰ کہ اکثر صحابہ مسائل و فتاویٰ میں آپ کی طرف رجوع کرتے۔ تابعین میں ابن شہاب زہری' سعید بن المسیب' عکرمہ مولیٰ ابن عباس اور عمر بن عبدالعزیز رحمھم اللہ تعالیٰ کی خدمات آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ آخر الذکر جب سریر آرائے خلافت ہوئے تو مختلف بلاد و امصار کے علماء کو حدیث نبویہ کی فراہمی پر مامور کیا۔ آپ نے امیر مدینہ ابوبکر ابن حزم کو خصوصی طور پر جمع احادیث کی خدمت تفویض کی۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ دوسری صدی ہجری میں اس سلسلہ میں قابلِ ذکر کام ہوا' مثلاً مؤطا امام مالک' مسند امام شافعی و کتاب الآثار محمد بن حسن شیبانی اسی عہد کی یادگار ہیں۔

امام مالکؒ: ان کتب میں مؤطا امام مالک خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ حدیث کی اولین کتاب ہے' جو آج تک ہر جگہ معروف و متداول ہے۔ یہ احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ و تابعین کی جامع ہے۔ جلال الدین سیوطی نے اپنی شرح مؤطا کے مقدمہ میں امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے یہ کتاب مدینہ منورہ کے ستر علماء کو دکھائی' سب نے میری تائید کی' اس لیے میں نے اس کا نام "المؤطا" رکھا۔ آپ کو نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے والہانہ شیفتگی تھی۔ عمر بھر مدینہ منور میں کبھی سوار نہ ہوئے' محض اس لیے کہ اس سرزمین میں حضور اکرم ﷺ مدفون ہیں۔ ۱۷۹ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور بقیع کے قبرستان میں محو خواب ہیں۔ (تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۷۵' مفتاح السنہ ص ۴۳)

امام ابو حنیفہؒ: حدیث کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں ائمہ متبوعین میں سے امام مالک رحمہ اللہ کے بعد امام ابو حنیفہؒ کا نام قابلِ ذکر ہے۔ آپ ۸۰ھ میں پیدا اور ۱۵۰ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔ آپ ان ائمہ مجتہدین میں سے تھے' جو کتاب و سنت اور مطالب و معانی سے بخوبی آگاہ تھے۔ محمد بن محمود خوارزمی المتوفی ۶۶۵ھ نے مسند ابی حنیفہ مرتب کی ہے۔ یہ مسند ان پندرہ مسانید سے ماخوذ ہے' جن کو جید علماء نے "مسند امام ابو حنیفہ" کے نام سے تالیف کیا تھا۔ خوارزمی نے اس مسند کو فقہی ابواب کی ترتیب کے مطابق مرتب کیا ہے مگر آپ نے بذات خود کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ عصر حاضر کے فقیہ شہیر ابو زہرہ نے حیات ابو حنیفہ

میں بعد از تحقیق بسیار یہی نتیجہ ظاہر کیا ہے۔ آپ پر حدیث میں قلیل الروایت ہونے کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔

محدث الذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ آپ استنباط مسائل میں مشغول رہا کرتے تھے۔ جس طرح امام مالک وشافعی رحمہما اللہ سے بھی کم احادیث روایت کی گئی ہیں' حالانکہ دونوں عظیم حافظ حدیث تھے۔ اس کی وجہ بھی ان کی فقہی مسائل میں مشغولیت ہے۔ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کبار صحابہ میں سے تھے مگر ان سے دوسرے صحابہ کی نسبت کم احادیث منقول ہیں۔ اس کی وجہ ان کی سیاسی وانتظامی مصروفیات ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ للذھبی)

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ میں لکھا ہے کہ "تشدد فی الروایۃ" کی بنا پر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف سترہ احادیث صحیح ہیں۔

جہاں تک جناب امام کے انداز استنباط کا تعلق ہے اس کے بارے میں وہ خود ارشاد فرماتے ہیں:

"جب مجھے کسی مسئلہ کے بارے میں کتاب اللہ سے کوئی نص مل جاتی ہے' تو اس پر اکتفاء کرتا ہوں۔ جب کتاب اللہ کی نص موجود نہ ہو تو حدیث رسولؐ اور ان آثار صحیحہ پر عمل پیرا ہوتا ہوں' جو ثقات میں عموماً رائج ہیں۔ جب کسی مسئلہ کا حل مجھے کتاب وسنت سے نہیں ملتا تو اقوال صحابہ سے استدلال کرتا ہوں۔ جس صحابی کا چاہتا ہوں قول لے لیتا ہوں اور جس کا قول چاہتا ہوں ترک کر دیتا ہوں' مگر صحابہ کے مجموعی اقوال سے میں باہر نہیں جاتا۔ جب نوبت ابراہیم نخعی' شعبی' حسن بصری' ابن سیرین اور سعید بن المسیب جیسے تابعین تک آتی ہے تو میں اجتہاد کرتا ہوں جیسے انھوں نے اجتہاد کیا تھا۔ (تاریخ التشریع الاسلامی للخضری' تفسیر مظہری وبیہقی در مدخل بروایت عبداللہ بن مبارک)۔

مندرجہ صدر بیان اس حقیقت کی آئینہ داری کرتا ہے کہ حدیث نبویؐ کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کا موقف کس قدر واضح تھا۔

صاحب "روضۃ العلماء" مصنف "ہدایہ" سے روایت کرتے ہیں:

"امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ جب آپ کا کوئی قول قرآن کے مخالف ہو تو اس کے بارے میں کیا کیا جائے؟ فرمایا: قرآن کے مقابلہ میں میرا قول چھوڑ دو' پھر پوچھا گیا کہ جب حدیث نبویؐ آپ کے خلاف ہو؟ فرمایا: حدیث کے مقابلہ میں میرا قول ترک کر دو' پھر پوچھا گیا جب صحابہ کرام کا قول آپ کے قول کے خلاف ہو؟ جواب دیا کہ میرا قول صحابہ کے آثار کے مقابلہ میں چھوڑ دو۔"

علامہ ابن عابدین جو متأخرین حنفیہ میں بڑے پایہ کے عالم ہیں' شرح در مختار میں فرماتے ہیں:

"جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے اور وہ اپنے امام کے مذہب کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کرنا چاہیے اور وہی اس امام کا مذہب ہوگا اور اس حدیث پر عمل کرنے سے امام ابو حنیفہؒ کا مقلدِ حنفی ہونے سے نکل نہیں جائے گا' اس لیے کہ امام ابو حنیفہؒ سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے فرمایا: جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے' تو وہی میرا مذہب ہے۔" (شامی ج ۱ ص ۷۰ مطبوعہ مصر)

شیخ محی الدین ابن عربی "فتوحات مکیہ" میں اپنی سند سے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں:

"آپ اکثر فرمایا کرتے تھے اے لوگو! اللہ کے دین میں اپنی رائے سے کچھ کہنے سے بچو اور اتباع کا دامن تھامے رکھو' اس لیے کہ جو شخص اس سے خارج ہوا' وہ گمراہ ہو گیا۔"

(المیزان الکبریٰ للشعرانی ص ۵۰)

امام شافعیؒ: امام شافعی رحمہ اللہ کا نام و نسب ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی ہے۔ آپ مقام غزہ میں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے' اسی سال امام ابو حنیفہؒ نے وفات پائی۔ ان کے والد بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ ابھی دو ہی سال کے تھے کہ ان کی والدہ ان کو مکہ لے گئیں۔ آپ وہیں پروان چڑھے' پھر وارد مدینہ ہو کر امام مالک رحمہ اللہ کے وابستہ دامن ہو گئے۔ ان کے علم و فضل اور ذہانت و فطانت کی وجہ سے امام مالکؒ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ آپ نے مؤطا زبانی یاد کر کے امام مالکؒ کو سنائی۔ ۱۹۹ھ کے اواخر میں مصر تشریف لے گئے اور وہیں مقیم

رہے۔ حتیٰ کہ ۲۰۴ھ میں مصر ہی میں وفات پائی۔

امام شافعی رحمہ اللہ اپنے عصر و عہد میں کتاب و سنت کے سب سے بڑے عالم تھے۔ حدیث نبوی آپ کا اوڑھنا بچھونا تھی۔ آپ ہمیشہ اس بات سے منع کیا کرتے تھے کہ کتاب و سنت کو ترک کر کے لوگوں کے افکار و آراء کو معمول بنایا جائے۔

محدث البویطی فرماتے ہیں:

"میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو یہ فرماتے سنا کہ اصحاب الحدیث کا دامن مت چھوڑو' اس لیے کہ وہ سب سے زیادہ درست بات کہنے والے ہیں۔"

(تاریخ حدیث و محدثین ص ۴۰۱)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ "عقد الجید" میں فرماتے ہیں:

"امام شافعی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تمھارے پاس میرے قول کے خلاف کوئی حدیث صحیح پہنچ جائے' تو اس کی پیروی کرو اور خوب جان لو کہ وہی میرا مذہب ہے۔ یہ بات صحت کو پہنچی ہوئی ہے کہ امام شافعیؒ فرماتے تھے: جب تمھیں میرے مذہب کا کوئی مسئلہ پہنچے اور حدیث اس کی مخالف ہو تو جان لو کہ میرا مذہب حدیث کے مطابق ہے۔"

اس ضمن میں امام شافعی رحمہ اللہ کے یہ اشعار مشہور ہیں:

کل العلوم سوی القرآن مشغلة

الا الحدیث و الا الفقه فی الدین

العلم ما کان فیه قال حدثنا

و ما سِوٰی ذاك وسواس الشیاطین

(قرآن کریم' حدیث نبوی اور فہم دین کے سوا تمام علوم صرف وقت کٹی کا سامان ہیں' اصلی علم تو وہی ہے جس میں "قال حدثنا" ہو۔ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے' اس کی حیثیت شیطانی وسوسوں سے زیادہ نہیں)

امام شافعی علیہ الرحمہ کو حدیث نبوی کے ساتھ جو لگاؤ تھا اس کی ایک دلیل یہ بھی

ہے کہ آپ خبر واحد کو بھی دین میں حجت سمجھتے ہیں۔ اسی بناء پر اہل بغداد آپ کو "ناصر السنۃ" کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ امام شافعی اولین شخص تھے جنھوں نے اصول الفقہ پر کتاب لکھی اور اصول حدیث کی طرح ڈالی۔ قوانین روایت پر کتاب تحریر کی اور محدثین کرام کے لیے علوم حدیث کی تالیف و تدوین کی راہ ہموار کی۔ جو شخص امام شافعی کی کتاب "الرسالۃ" میں حدیث و محدثین سے متعلق ان کی تصریحات پڑھتا ہے پھر متاخرین مثلاً ابن الصلاح و دیگر علماء کی کاوشوں کا جائزہ لیتا ہے تو وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ان فنون میں امام شافعی سب کے استاد اور پیش رو ہیں۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۵۱ ' تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۴۴ تاریخ التشریع الاسلامی للخضری ص ۲۶۴)

امام احمد بن حنبلؒ: امام ابو عبداللہ احمد بن حنبلؒ بغداد میں ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ امام شافعی جب ۱۹۸ھ کو بغداد تشریف لائے' تو امام احمد آپ کے وابستہ فتراک ہو گئے۔ آپ نے حدیث و فقہ کی جانب پوری توجہ مبذول کی حتی کہ اکابر محدثین مثلاً محمد بن اسماعیل بخاری' مسلم بن حجاج نیشاپوری' امام شافعی وغیرہم نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ امام شافعی حدیث و فقہ میں مہارت کے باوجود احادیث کی تصحیح و تضعیف کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ پر اعتماد کیا کرتے تھے۔

امام شافعی کا قول ہے: جب میں عراق سے نکلا' تو اپنے پیچھے احمد بن حنبل سے بڑھ کر صاحبِ علم و فضل اور عابد و زاہد شخص نہیں چھوڑا۔ امام احمد بغداد میں ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۳۳۵)

امام مالکؒ و شافعیؒ کے بعد احادیث نبویہ کا عام چرچا ہوا' حتی کہ امام احمد کا زمانہ آیا تو آپ کے پاس اتنا ذخیرہ احادیث جمع ہو گیا کہ کسی کے پاس نہ ہوا تھا۔ آپ نے صرف احادیث کو پیش نظر رکھا۔ خالص احادیث و آثار کا اتباع کرنے کی وجہ سے آپ کا مسلک الگ شمار ہونے لگا۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"بلاد اسلامیہ میں احادیث و آثار کی تدوین اور اشاعت ہونے لگی حتی کہ راویوں میں سے کوئی کم ایسا ہوا ہوگا جس نے کوئی تصنیف یا صحیفہ یا رسالہ نہ لکھا ہو"

(حجۃ اللہ البالغہ مصری جلد اول ص ۱۴۷)

امام احمد کا مسلک یہ تھا کہ حدیث نبوی کی موجودگی میں کسی کا قول حجت نہیں۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں۔

امام احمدؒ فرمایا کرتے تھے "اللہ و رسول کے قول کے مقابلے میں کسی کی بات حجت نہیں، نہ میری پیروی کیجیے، نہ امام مالک کی، نہ اوزاعی کی اور نہ نخعی کی اور وہاں سے احکام اخذ کیجیے جہاں سے انھوں نے لیے ہیں، یعنی کتاب و سنت سے" (الیواقیت والجواہر للشعرانی)

شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہؒ: زیر ترجمہ رسالہ "رفع الملام عن الائمہ الاعلام" اور اس کے مصنف کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

شیخ کی ولادت عراق کے تاریخی شہر حران میں ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ کو ہوئی۔ باپ نے احمد تقی الدین نام رکھا۔ بڑے ہو کر انھوں نے ابو العباس کنیت اختیار کی، لیکن خاندانی لقب ابن تیمیہ سب پر غالب آیا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ شیخ احمد تقی الدین سے چار پشت اوپر ان کے جد امجد محمد بن الخضر کے وقت سے یہ نسبت شروع ہوئی تھی۔ اس کی وجہ تسمیہ میں مؤرخین کی رائے مختلف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ محمد بن الخضر کی والدہ کا نام جو کہ واعظہ تھیں، تیمیہ تھا، اس لیے یہ خاندان تیمیہ کی طرف منسوب ہو گیا۔ قرآن کا یہ مشہور علمی اور دینی خاندان تھا۔ اس کے صاحب علم افراد ہمیشہ درس و افتاء اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے دادا ابو البرکات مجد الدین ابن تیمیہ کا شمار حنبلی مذہب کے ائمہ و اکابر میں ہے۔ احمد بن تیمیہ کے والد شہاب الدین عبد الحلیم ابن تیمیہ عالم و محدث، حنبلی فقیہ اور صاحب درس و افتاء تھے۔

شیخ احمد ابن تیمیہ کی ولادت تاتار گردی کے زمانہ میں ہوئی۔ سارا عالم اسلام تاتار کی ہیبت سے لرزہ بر اندام تھا۔ عراق و جزیرہ کی زمین خاص طور پر ان کی جولان گاہ تھی۔ ابن تیمیہ

سات برس کے تھے کہ ان کا وطن حران تاتاری حملہ کی زد میں آ گیا' چنانچہ اس پریشانی کے عالم میں اس علمی خاندان نے سب مال و متاع چھوڑ کر کتابیں بیل گاڑی پر رکھیں اور ملک شام کا رخ کیا۔ دمشق پہنچتے ہی اس علمی گھرانہ کی آمد کی خبر ہو گئی۔ اہل علم شیخ الاسلام کے والد اور دادا کے نام اور کام سے آشنا تھے' چنانچہ اس خاندان کو اس نئے شہر میں کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی۔

کمسن احمد ابن تیمیہ نے جلد ہی قرآن مجید کے حفظ سے فراغت حاصل کر لی اور حدیث و فقہ اور عربی زبان کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ ابن تیمیہ کا خاندان قوت حافظہ اور کثرت حفظ میں مشہور تھا۔ ان کے دادا اور والد دونوں بڑے قوی الحفظ تھے' لیکن تقی الدین احمد ابن تیمیہ اس نعمت میں اپنے پورے خاندان سے سبقت لے گئے اور بچپن ہی میں ان کے عجیب و غریب حافظہ اور سرعت حفظ نے علماء و اساتذہ کو متحیر کر دیا اور دمشق میں اس کی شہرت پھیل گئی۔

ابن تیمیہ نے اپنے زمانہ کے تمام مروجہ علوم کی تحصیل کی۔ انھوں نے عربی زبان کی طرف خاص توجہ کی اور لغت و نحو میں اعلیٰ بصیرت حاصل کی۔ علوم دینیہ میں فقہ و اصول فقہ' فرائض اور حدیث و تفسیر کی جانب پوری توجہ کی۔ اس زمانہ میں حدیث کی کتابت و حفظ اور سماع کا عام رواج تھا۔ ابن تیمیہ نے گھوم پھر کر علمائے شام سے حدیث کی سماعت اور کتابت کی۔ ابن عبدالہادی کا بیان ہے کہ حدیث میں ابن تیمیہ کے شیوخ کی تعداد دو سو سے متجاوز ہے۔ (الکواکب الدریہ ص ۲)

غرض ابن تیمیہ نے اپنے زمانے میں کتاب و سنت کی ترجمانی' دین کی صداقت و برتری ثابت کرنے اور علمی و عملی گمراہیوں کو دور کرنے کے لیے ایسی وسیع اور مکمل علمی تیاری کی' جس کی اس فکری و دینی انتشار کے زمانہ میں ضرورت تھی۔ انھوں نے وہ علمی تبحر پیدا کیا کہ ان کے معاصرین دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

آگے چل کر انھوں نے ایک سچے مجاہد عالم کی طرح عقائد باطلہ اور فرق ضالہ کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور ان کی پوری زندگی اسی کشمکش میں گزری۔ ان کے سیر و سوانح پر

مستقل کتب موجود ہیں۔ افسوس کہ یہ مختصر کتابچہ ان تفصیلات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

”رفع الملام“ کا موضوع

شیخ الاسلام نے زندگی بھر جو تصنیفی کام کیا' اس کا مختصر تعارف بھی یہاں ممکن نہیں۔ سعودی عرب کی موجودہ حکومت نے شیخ الاسلام کے فتاویٰ کو اڑتیس ضخیم مجلدات میں شائع کیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کا تصنیفی کام کس قدر زیادہ ہے۔ شیخ کے ذوق کا یہ عالم تھا کہ ۹ جمادی الاخری ۷۲۸ھ کو قید خانہ میں جب آپ کو سامان نوشت و خواند سے محروم کر دیا گیا' تو آپ نے اس پر کسی جزع و فزع کا اظہار نہیں کیا اور نہ حکومت سے شکایت کی۔ ان سے جب قلم و دوات لے لیے گئے' تو انھوں نے منتشر اوراق پر کوئلہ سے لکھنا شروع کر دیا۔ ان کے متعدد رسائل اور تحریریں کوئلہ سے لکھی ہوئی ملیں اور عرصہ تک اسی حالت میں محفوظ رہیں۔

”رفع الملام“ میں اکابر علماء اور خصوصاً ائمہ اربعہ کی جانب منسوب اس غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا ہے کہ انھوں نے دانستہ حدیث نبویہ کو نظر انداز کر کے اپنے مقلدین کو اپنے اقوال و افکار کی پیروی کا حکم دیا۔ شیخ نے دلائل و براہین کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ ایک عالم اور امام بھی ایسا نہیں جس نے شعوری طور پر حدیث نبوی سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اپنے اقوال و اعمال کو دین میں حجت قرار دیا ہو۔ ایک امام تو کیا کوئی مسلم بھی اس فعل شنیع کی جسارت نہیں کر سکتا۔

شیخ نے پوری تفصیل کے ساتھ ان اعذار و اسباب کی نشان دہی کی ہے جن کی بناء پر بعض احادیث کے مطابق بعض حلقوں میں عمل نہ کیا جاسکا' مثلاً ان اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ بعض اوقات ایک عالم علم و فضل کے باوصف کسی حدیث سے آگاہ نہیں ہوتا اور اس لیے وہ اس پر عمل کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے شیخین (حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی مثالیں دی ہیں کہ تمام تر عظمت و فضیلت کے باوجود بعض احادیث سے آگاہ نہ تھے' حتیٰ کہ ان سے کمتر درجہ کے لوگوں نے ان کو ان احادیث سے آگاہ کیا اور انھوں نے بصد شکر ان احادیث کو تسلیم کیا اور ان کے مطابق عمل کیا۔

ایک امام بعض اوقات ایک حدیث کو اس لیے نظر انداز کر دیتا ہے کہ وہ حدیث سنداً اس کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی' بلکہ وہ اس کو ضعیف اور نا قابل اعتماد تصور کرتا ہے۔ کسی حدیث پر ترک عمل کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ ایک امام کے مقرر کردہ شرائط پر پوری نہیں اترتی' اگرچہ دیگر محدثین اس کو صحیح اور قابل عمل قرار دیتے ہوں' علیٰ ہذا القیاس پورا رسالہ اسی قسم کے اسباب واعذار پر مشتمل ہے۔ ہم نے قبل ازیں ائمہ اربعہ کا مختصر تعارف پیش کیا اور ان کے اقوال وافکار اس ضمن میں نقل کیے ہیں کہ ان چاروں حضرات کا موقف یہی ہے کہ اصل دین کتاب وسنت کی پیروی کا نام ہے' لہٰذا جب حدیث صحیح موجود ہو تو ان کے قول کو نظر انداز کر کے حدیث پر عمل کرنا چاہیے۔ اس سے ان لوگوں کے موقف کی غلطی واضح ہوتی ہے' جو یہ بات کہتے ہیں کہ امام کے قول کو کسی قیمت پر ترک نہیں کیا جاسکتا۔ اس مبالغہ آمیز کورانہ تعصب کی مثال امام کرخی کا یہ قول ہے:

"وہ آیت یا حدیث جو اس طریقہ کے خلاف ہو جس پر ہمارے اصحاب ہیں وہ یا تو مؤول ہے یا منسوخ" (تاریخ التشریع الاسلامی للخضری مترجم اردو ص ۲۲۱)

اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی اصل اساس کتاب وسنت نہیں' بلکہ کسی امام کا قول ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے زیر ترجمہ رسالہ میں اسی ذہنیت کا ابطال کیا ہے۔ انھوں نے واضح کیا ہے کہ عقائد واعمال کا مأخذ وحی ونبوت اور کتاب وسنت کو بنایا جائے۔ انھوں نے ساری عمر اس کی دعوت دی اور مشکل سے ان کی کوئی تصنیف اس سے خالی نظر آئے گی۔ اس طرح انھوں نے فکر اسلامی کو طاقت وتازگی بخشی' جو فلسفہ وعلم کلام اور عجمی روح سے بہت کچھ مجروح ومضمحل ہو گئی تھی۔ ایک نوزائیدہ اسلامی مملکت میں کتاب وسنت کی اس روح کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے اور اسی کے پیش نظر اس رسالہ کو اردو کے قالب میں ڈھالا گیا۔

(مترجم) غلام احمد حریری

۶۱۔ ڈی پیپلز کالونی' فیصل آباد

۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء مطابق ۷ صفر ۱۴۰۰

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ علی الآئه ' و اشهد ان لا اله الا اللّٰه ' وحده لا شریك له ' فی ارضه و لا فی سمآئه' و اشهد ان محمد عبده و رسوله و خاتم الانبیآئه ۔ صلی اللّٰه علیه و علی اصحابه صلٰوة دائمة الی یوم لقآئه و سلیم تسلیما۔

فضائل صحابہؓ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی کے مطابق اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے ساتھ اظہار الفت و مودت کے بعد اہل اسلام پر واجب ہے کہ اہل ایمان اور خاص طور پر علماء کرام کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھیں اور ان کے ساتھ اکرام و احترام کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں' اس لیے کہ وہ انبیاء کے وارث (۱) اور ان ستاروں کی مانند ہیں جن سے بحر و بر کی تاریکیوں میں روشنی حاصل کی جاتی ہے اور اس پر مزید یہ کہ تمام اہل اسلام ان کے ہدایت یافتہ ہونے اور دینی فہم و شعور رکھنے کے بارے میں متفق الرائے ہیں۔

سرور کائنات ﷺ کی بعثت سے پہلے جو امتیں موجود تھیں' ان کے علماء بگڑ گئے تھے مگر امت محمدیؐ کے علماء ان کے عین برعکس نہایت افضل و اعلیٰ ہیں' جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس امت میں جانشین رسولؐ اور آپ کی مردہ سنتوں کے زندہ کرنے والے ہیں۔ وہ کتاب اللہ کی حفاظت کے امین اور ان کی زندگی اسی کی خدمت کے لیے وقف ہے۔ گویا وہ اللہ

(۱) حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت حاصل ہے' جس طرح چاند کو تمام ستاروں پر' علماء انبیاء کے وارث ہیں' انبیاء نے انھیں دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا بلکہ علم کا وارث بنایا' تو جو اس وراثت کو حاصل کرلے اس نے وراثت میں سے حصہ وافر حاصل کرلیا۔ اس حدیث کو امام احمدؒ اور کئی دیگر ائمہ نے روایت کیا ہے۔ (سیف)

کی اس کائنات پر قرآن ناطق ہیں۔

کسی امام نے سنتِ رسولؐ سے کبھی انحراف نہیں کیا

یہ امر پیش نظر رہے کہ جن ائمہ کو اس امت کی جانب سے قبول عام کی سند حاصل ہوئی' ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس نے کسی بڑے یا چھوٹے معاملہ میں حضور اکرم ﷺ کی سنت کی مخالفت کی ہو۔ ائمہ کرام اس بات پر کامل یقین رکھتے اور اس امر پر بالکل متفق ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا اتباع تمام امور میں ناگزیر ہے۔ نیز یہ کہ کوئی بھی شخص ہو' اس کی بات اگر درست ہو تو اس کو تسلیم کیا جاسکتا اور غلط ہونے کی صورت میں رد کیا جاسکتا ہے' مگر رسول اکرم ﷺ کی ذات اس سے مستثنیٰ ہے' اس لیے کہ آپؐ کی ہر بات کو تسلیم کرنا واجب ہے۔ البتہ جب کسی امام کا قول حدیث صحیح کے خلاف ہو' تو اس حدیث کے ترک کرنے کی وجہ تو ان کے ہاں ضرور ہو گی۔

ترک حدیث کے تین عذر

کسی حدیث کو صرف تین وجوہ میں سے کسی ایک کی بنا پر ترک کیا گیا ہو گا:

۱۔ امام یہ سمجھتا ہو گا کہ حضور ﷺ نے یہ حدیث سرے سے ارشاد ہی نہیں فرمائی۔

۲۔ امام کے نزدیک اس کا مفہوم وہ نہ ہو گا جو قائل نے سمجھا۔

۳۔ امام کے نزدیک وہ حدیث منسوخ ہو گی۔

پہلا سبب

مذکورہ بالا تین قسموں کے مختلف اسباب ہیں۔ ان میں سے پہلا سبب یہ ہے کہ وہ حدیث امام تک پہنچی ہی نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ جب وہ حدیث ان کو ملی ہی نہیں' تو اس پر عمل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' نہ وہ امام اس حدیث پر عمل کرنے کا شرعاً مکلّف ہے۔(۱)

(۱) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ "مجموع الفتاویٰ" جلد ۲۰ میں فرماتے ہیں کہ حقیقت امر یہ ہے کہ جب اس مسئلہ میں کوئی نص موجود ہو اور وہ بعض مجتہدین کو معلوم نہ ہو سکی ہو' اگر معلوم ہوتی تو اس کے مطابق عمل کرنا اس پر واجب ہوتا' لیکن معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس نے کسی دوسری نص کے مطابق عمل کر لیا جو منسوخ یا مخصوص تھی۔ تو اس نے مقدور بھر وہی کیا جو اس پر واجب تھا جیسا کہ کچھ لوگوں نے بیت القدس کی طرف

حدیث موصول نہ ہونے کی صورت میں اس نے کسی آیت و حدیث کے ظاہر مفہوم یا اپنے قیاس و استصحاب کی بنا پر جو فتویٰ بھی دیا' وہ اس حدیث کے موافق بھی ہو سکتا ہے اور مخالف بھی۔ ائمہ سلف سے جو اقوال بعض احادیث کے خلاف منقول ہیں' اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس امت کا کوئی فرد بھی اس امر کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے تمام احادیث نبویہ کا احاطہ کر لیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ کوئی حدیث ارشاد فرماتے یا فتویٰ دیتے' یا فیصلہ کرتے' یا کوئی کام کرتے تو جو لوگ اس وقت حاضر ہوتے' وہ آپ کی بات سنتے اور آپ کے عمل کو بچشم خود دیکھتے اور اس کو دوسروں تک پہنچا دیتے اور اس طرح سے حضور ﷺ کے اس قول و عمل سے اہل علم صحابہ' تابعین اور دیگر لوگ آگاہ اور آشنا ہو جاتے۔

پھر دوسری مجلس میں آپ کوئی اور حدیث فرماتے یا فتویٰ دیتے یا فیصلہ فرماتے یا کوئی اور کام کرتے' تو جو لوگ پہلی مجلس میں موجود نہ تھے' وہ بھی ان باتوں کا مشاہدہ کرتے اور پھر ان کو جن لوگوں تک ممکن ہوتا پہنچاتے۔ ظاہر ہے کہ اندریں صورت اس ایک مجلس والوں کو جن باتوں کا علم حاصل ہوا' دوسری مجلس والے ان سے محروم محض رہے۔

اہل علم صحابہؓ میں فرق مراتب

اہل علم صحابہ و متأخرین کے علمی درجات میں جو تفاوت پایا جاتا ہے' وہ یا تو کثرت علم پر مبنی ہے یا علم کی عمدگی اور اعلیٰ ہونے کی بنا پر ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کوئی شخص تمام احادیث نبویہ پر حاوی ہو تو کسی شخص کے لیے اس کا دعویٰ کرنا ممکن نہیں۔ اس کی عمدہ ترین مثال خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا وجود مسعود ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ خلفاء

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) منہ کر کے نماز پڑھنے کے حکم کی منسوخی کے بعد بھی اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی کیونکہ انھیں اس کے منسوخ ہونے کا ابھی تک علم نہ تھا۔ اس مسئلہ میں تین قول ہیں: ۱۔ صحیح قول کے مطابق حکم خطاب' مکلفین کے حق میں اسی وقت ثابت ہوتا ہے جب انھیں اس کی معرفت حاصل ہو ۲۔ حکم تو ثابت ہوگا' عمل نہ کرنے کی وجہ سے گناہ نہ ہوگا۔ البتہ قضا واجب ہوگی ۳۔ پہلا حکم ہی ثابت رہے گا کیونکہ نسخ کا تو اسے علم نہیں۔ یہ تینوں اقوال امام احمدؒ اور دیگر ائمہ کے مذہب کے مطابق ہیں۔ (سیف)

راشدین، حضور اکرم ﷺ کے اقوال و اعمال اور سنن کو سب سے بہتر جاننے والے تھے۔(۱)

خصوصاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو سفر و حضر بلکہ تمام اوقات میں حضور ﷺ کے رفیق رہے اور وہ رات کے وقت بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اور آپ کے ساتھ بیدار رہ کر مسلمانوں کے حالات پر غور و فکر کرتے۔(۲) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا حال بھی تقریباً یہی تھا۔ نبی اکرم ﷺ اکثر یوں فرماتے: "میں اور ابوبکر و عمر داخل ہوئے اور میں اور ابوبکر و عمر باہر نکلے۔"(۳)

حضرت ابوبکرؓ اور دادی کی میراث

تاہم اس دائمی رفاقت کے باوجود جب حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے دادی نے میراث میں سے اپنے حصہ کے بارے میں پوچھا، تو فرمایا:

"اللہ کی کتاب میں تمھارا کوئی حصہ مذکور نہیں۔ اسی طرح میرے علم کی حد تک سنت رسول ﷺ میں بھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا۔ البتہ میں اس ضمن میں لوگوں سے دریافت کروں گا۔"

---

(۱) ملاحظہ فرمائیے کتاب "اعلام الموقعین عن رب العالمین" از امام ابن قیمؒ ص ۵۴، ۲۶ (سیف)

(۲) ابوبکر بن ابی شیبہ میں حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے حالات پر غور و فکر کرنے کے لیے حضرت ابوبکر کے پاس رات بسر کرتے اور میں آپ کے ساتھ ہوتا، مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ص ۳۹۱

(۳) صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کے بارے میں فرمایا کہ آپ نے اپنے پیچھے کسی ایسے شخص کو نہیں چھوڑا کہ آپ کی بجائے اس شخص جیسے عمل لے کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا مجھے زیادہ پسند ہو۔ اللہ کی قسم! میرا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے دونوں ساتھیوں کا ساتھ عطا فرمائے گا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بہت دفعہ یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ میں، 'ابوبکرؓ اور عمرؓ آئے' میں 'ابوبکرؓ اور عمرؓ داخل ہوئے' میں 'ابوبکرؓ اور عمرؓ باہر نکلے'، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے ان دونوں ساتھیوں کی آخرت میں بھی رفاقت عطا فرمائے گا' صحیح البخاری مع الفتح کتاب فضائل الصحابہ باب مناقب عمرؓ ج ۷ ص ۴۱ حدیث نمبر ۳۶۸۵ (سیف)

جب آپ نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اور حضرت محمد بن مسلمہؓ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے شہادت دی کہ حضور اکرم ﷺ نے دادی کو ایک چوتھائی حصہ میراث دلوائی تھی۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بھی یہ سنت لوگوں تک پہنچائی تھی۔[1]

ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا تینوں صحابہ عظمت وفضیلت میں حضرت ابو بکرؓ کے ہم پلہ نہیں ہیں، مگر اس کے باوجود جس سنت کا علم ان کو حاصل ہوا حضرت ابو بکرؓ بایں عظمت و جلالت اس سے آگاہ نہ تھے، حالانکہ اس سنت کے مطابق پوری امت کا عمل ہے۔

مسئلہ استیذان اور حضرت عمرؓ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس امر سے آگاہ نہ تھے کہ کسی کے گھر میں داخل ہونے سے قبل اذن لینا ضروری ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے آپ کو اس سے آگاہ کیا اور حضرت عمرؓ نے دیگر انصار سے اس ضمن میں شہادت طلب کی، حالانکہ جناب فاروق اعظمؓ کا علمی پایہ حضرت ابو موسیٰؓ سے کہیں بلند ہے۔[2]

خاوند کی دیت سے ورثہ

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ مسئلہ بھی معلوم نہ تھا کہ بیوی اپنے خاوند کی دیت سے ورثہ پاتی ہے، ان کا خیال یہ تھا کہ دیت ورثاء کو ملتی ہے حتی کہ ضحاک بن سفیان الکلابی نے، جن کو رسول اکرم ﷺ نے ایک علاقہ کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔[3] حضرت عمر کو تحریر کیا کہ رسول کریم ﷺ نے اشیم الضبابی کی بیوی کو خاوند کی دیت سے ورثہ دلایا

(۱) ابو داؤد، ترمذی بروایت قبیصہ بنت ذویب مرسلا، اس کی مرسل اسانید اور بھی ہیں، ان ہی میں سے عمران بن حصین کی روایت بھی ہے۔

(۲) صحیح بخاری بروایت ابو سعید خدری، نیز فتح الباری ۱۱/ ۳۴

(۳) ضحاک بن سفیان بن عوف بن کعب بن ابی بکر بن کلاب الکلابی، آپ کی کنیت ابو سعید ہے، مشہور صحابی ہیں، آنحضرت ﷺ کے عمال میں سے تھے۔ ملاحظہ فرمائیے تقریب التھذیب، حافظ ابن حجر عسقلانی ج ۱ ص ۳۷۳ (سیف)

تھا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا اور فرمایا:

"اگر ہم نے یہ حدیث نہ سنی ہوتی تو ہم اس کے خلاف فیصلہ صادر کرتے"(۱)

مجوس سے جزیہ کی وصولی

حضرت عمرؓ کو معلوم نہ تھا کہ آیا مجوس سے جزیہ لیا جائے یا نہیں؟ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آپ کو اس مسئلہ سے آگاہ کیا اور کہا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "ان سے گھر والوں کا سا معاملہ کیجیے"(۲)

خلافت فاروقی میں واقعہ طاعون

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب شام کو جاتے ہوئے "سرغ" (۳) کے مقام پر پہنچے اور آپ کو پتہ چلا کہ ملک شام میں طاعون پھیلا ہوا ہے، تو آپ نے اس ضمن میں مہاجرین و انصار سے مشورہ طلب کیا کہ سفر جاری رکھا جائے یا نہیں، پھر آپ نے ان لوگوں کی رائے بھی دریافت کی جو فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنی

(۱) احمد، ابوداؤد، ترمذی، مؤخر الذکر نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) اسلامیہ یونیورسٹی مدینہ منورہ کے مطبوعہ نسخہ میں یہاں الفاظ یہ ہیں: "سنوابهم سنة اهل البيت" یہی وجہ ہے کہ فاضل مترجم نے ان کا ترجمہ یہ کیا ہے: "ان سے گھر والوں کا سا سلوک کیجیے۔" مگر ایک نسخہ میں الفاظ یہ ہیں: "سنوابهم سنة اهل الكتاب" ان سے اہل کتاب کا سا سلوک کرو۔" (سیف)

حضرت امام شافعیؒ نے اس حدیث کو مرسلاً اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ مزید برآں یہ حدیث متعدد طرق سے انہی الفاظ کے ساتھ مرسلاً مروی و منقول ہے۔ امام بخاری، امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ مجوس سے جزیہ وصول کرتے تھے، حتیٰ کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا کہ رسول اکرم ﷺ نے مقام ہجر کے مجوسیوں سے جذیہ وصول کیا تھا۔

(۳) شام کی طرف سے حج پر جانے والوں کے راستہ میں مغیثہ و تبوک کے درمیان شام و حجاز کی سرحد پر ایک مقام کا نام ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ سرغ مدینہ منورہ سے تیرہ منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ معجم البلدان (سیف)

اپنی رائے کا اظہار کیا' مگر کسی نے بھی اس ضمن میں وارد شدہ سنت رسولؐ سے آگاہ نہ کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آئے تو انھوں نے طاعون سے متعلق حدیث نبوی پر روشنی ڈالی۔ عرض کیا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

"جب کسی علاقہ میں طاعون پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو' تو وہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کیجیے اور جب تمھیں پتہ چلے کہ کسی علاقہ میں طاعون پھیل چکا ہے' تو وہاں مت جایئے۔" (۱)

نماز میں شک پڑنے کا مسئلہ

علیٰ ہذا القیاس حضرت عمر اور عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کے مابین یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ اگر نماز پڑھنے کے دوران کسی شخص کو شک پڑ جائے کہ اس نے کتنی رکعات ادا کی ہیں تو اس سلسلہ میں سرورِ کائنات ﷺ کا کیا ارشاد ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس ضمن میں کوئی حدیث نہیں ملی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کی ملاقات ہوئی' تو انھوں نے یہ حدیث بیان کی:

"ایسا آدمی شک کو ترک کر کے یقین پر بنا کرے"

(مثلاً اگر شک اس امر میں ہے کہ تین رکعت ادا کیں یا چار تو ان کو تین تصور (۲) کیا جائے)

آندھی سے متعلق حدیث

حضرت عمرؓ ایک دفعہ سفر میں تھے کہ آندھی چلنے لگی۔ آپ نے فرمایا: کیا کسی شخص کو آندھی کے بارے میں کوئی حدیث معلوم ہے؟ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں میں

---

(۱) بخاری و مسلم واحمد بروایت عبدالرحمٰن بن عوف۔

(۲) اس حدیث کو امام احمد' ابوداؤد اور ترمذی نے بروایت ابوسعید خدری نقل کیا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی روایت کو امام احمد' ترمذی اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں: "جب کسی کو نماز میں شک پڑ جائے اور اسے معلوم نہ ہو کہ آیا ایک رکعت ادا کی ہے یا دو تو اسے ایک رکعت پر محمول کرنا چاہیے" اس روایت میں یہ الفاظ موجود نہیں کہ شک کو ترک کر کے یقین پر بنا کرے' جیسا کہ مؤلفؒ نے ذکر کیا ہے۔

لوگوں کے پیچھے کافی فاصلہ پر تھا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد سنا' میں نے سواری تیز کی اور آپ کے پاس پہنچ کر ان کو آندھی کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی سے مطلع کیا۔ (۱)

یہ ہیں وہ دینی احکام و مسائل جو حضرت عمرؓ کو معلوم نہ تھے' آپ کو یہ مسائل ایسے حضرات کے ذریعے معلوم ہوئے' جو مرتبہ و مقام کے اعتبار سے ان کے ہم پلہ نہ تھے۔

دیگر مسائل جن سے حضرت عمرؓ آگاہ نہ تھے

اسی طرح اور بھی متعدد احکام و مسائل ہیں' جن کے بارے میں احادیث نبویہ حضرت عمرؓ کو معلوم نہ ہو سکیں اور انھوں نے لاعلمی کی حالت میں ان مسائل کے بارے میں

---

(۱) اس حدیث کو امام مسلم نے صحیح میں حضرت عائشہ سے نیز امام طبرانی نے "الدعا" اور "المعجم الکبیر" میں روایت کیا ہے۔ مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب تیز ہوا چلتی تو رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھتے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَ ھَا وَ خَیْرَ مَا فِیْھَا وَ خَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّھَا وَ شَرِّمَا فِیْھَا وَ شَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ (اے اللہ! میں تجھ سے اس آندھی کی خیر و برکت کا اور جو کچھ اس میں ہے اس کی خیر و برکت کا اور جو یہ اپنے ساتھ لائی ہے اس کی خیر و برکت کا سوال کرتا ہوں اور اس آندھی کے شر سے اور جو اس آندھی میں ہے اس کے شر سے اور جو یہ اپنے ساتھ لائی ہے اس کے شر سے' تیری پناہ لیتا ہوں) ابو داؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: "ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے' وہ رحمت کی نوید بھی لاتی ہے اور عذاب بھی' جب ہوا کو دیکھو تو اسے برا نہ کہو بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس کی بھلائی طلب کرو اور اس کی برائی سے پناہ مانگو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے ... طبرانی میں بروایت ابن عباسؓ ہے کہ جب تیز ہوا چلتی تو رسول اللہ ﷺ اس کی طرف منہ کر کے' دوزانو بیٹھ کر اور دونوں ہاتھ پھیلا کر یہ دعا کرتے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ ھٰذِہِ الرِّیْحِ وَ خَیْرِ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّھَا وَ شَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا رَحْمَةً وَّ لَا تَجْعَلْھَا عَذَابًا' اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا رِیَاحًا وَّ لَا تَجْعَلْھَا رِیْحًا (اللہ! میں اس آندھی کی خیر و برکت کا اور اس کی خیر و برکت کا جو یہ اپنے ساتھ لائی ہے' تجھ سے سؤال کرتا ہوں اور اس کے شر سے اور اس کے شر سے جو یہ اپنے ساتھ لائی ہے' تیری پناہ لیتا ہوں' اے اللہ تو اسے رحمت بنادے اور عذاب نہ بنا' اے اللہ تو ان کو خیر و برکت لانے والی ہوائیں بنادے اور (تباہ و برباد کرنے والی) ہوا نہ بنا۔) (سیف)

فتویٰ بھی صادر فرمادیا' مثلاً:

ا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کی انگلیوں کی دیت کے بارے میں یہ فتویٰ دیا کہ سب انگلیوں کی دیت یکساں نہیں' بلکہ جو انگلی جتنی مفید ہے' اسی قدر اس کی دیت بھی زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اگرچہ علم و فضل میں حضرت عمرؓ سے بہت کم تھے' تاہم انھیں یہ حدیث معلوم تھی کہ آنحضور ﷺ نے انگوٹھے اور چھنگلیا کی دیت برابر قرار دی تھی۔ (۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ 'کو اپنی خلافت کے زمانے میں جب اس حدیث کا علم ہوا' تو انھوں نے اس کے مطابق فتویٰ دیا اور تمام اہل اسلام نے اس پر عمل کیا۔ تاہم اس کی بناء پر جب حضرت عمرؓ پر کوئی حرف گیری نہیں کی جاسکتی' اس لیے کہ مذکورہ حدیث سے وہ آگاہ ہی نہ تھے۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ 'احرام باندھنے سے قبل محرم کو خوشبو لگانے سے منع کرتے تھے' اسی طرح آپ اور آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارنے کے بعد اور طواف افاضہ سے قبل خوشبو استعمال کرنے سے روکتے تھے۔ چند دیگر اہل علم بھی اس مسئلہ میں ان کے ہمنوا تھے۔ یہ سب حضرات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے آگاہ نہ تھے:

> "میں نے احرام باندھنے کے وقت مگر احرام باندھنے سے پہلے رسول اکرم ﷺ کو خوشبو لگائی ہے' اسی طرح احرام کھولتے وقت' مگر طوافِ افاضہ سے قبل میں نے آپ کو خوشبو استعمال کروائی۔ (۲)

۳۔ موزہ پر مسح کی مدت

جو شخص موزے پہنے ہوئے ہو' حضرت عمرؓ اس کو حکم دیتے کہ جب تک وہ انھیں

(۱) صحیح بخاری' ابو داؤد' نسائی و ابن ماجہ بروایت عبداللہ بن عباس۔

(۲) صحیح بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

اتارے نہیں' ان پر مسح کرتا رہے۔ موزوں پر مسح کے لیے آپ کسی مدت کے قائل نہ تھے' سلف کا ایک گروہ بھی اس ضمن میں آپ کا ہمنوا تھا۔ دراصل وہ ان احادیث صحیحہ سے آگاہ نہ تھے جو مسح کی مدت کے بارے میں منقول ہیں' حالانکہ ان احادیث کے راوی علم و فضل میں ان کے ہم پایہ نہ تھے۔ یہ احادیث صحیح ہیں اور متعدد طرق سے مروی و منقول ہیں (۱)

۴۔ فوت شدہ خاوند والی عورت عدت کہاں گزارے ؟

حضرت عثمانؓ' اس مسئلہ سے آگاہ نہ تھے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو' وہ اسی گھر میں عدت گزارے' جہاں اس کا خاوند فوت ہوا ہو۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ حضرت فریعہ بنت مالک نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ جب ان کے خاوند فوت ہوئے' تو حضور اکرم ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ عدت پوری ہونے تک اسی گھر میں مقیم رہیں' چنانچہ حضرت عثمانؓ نے بعد ازاں حدیث کے مطابق عمل شروع کر دیا۔ (۲)

۵۔ محرم کے لیے شکار کا تحفہ

ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شکار کا تحفہ پیش کیا گیا' جو قصداً انہی کے لیے شکار کیا گیا تھا۔ آپ نے اُس کے کھانے کا ارادہ بھی کر لیا۔ حضرت علیؓ نے انھیں بتایا کہ رسول اکرم ﷺ نے گوشت کا وہ تحفہ قبول نہیں کیا تھا' جو آپ کو پیش کیا گیا تھا۔ (۳)

---

(۱) اس حدیث کو امام احمد اور مسلم نے بروایت حضرت علیؓ نقل کیا ہے۔ اسی طرح احمد' ابو داؤد اور ترمذی نے یہ حدیث خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی ہے۔ مزید برآں اس حدیث کو نسائی' ترمذی اور ابن خزیمہ نے بھی روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے۔ ان کے یہاں یہ حدیث بروایت صفوان بن عسال مروی ہے۔ نیز دار قطنی اور ابن خزیمہ نے اس حدیث کو بروایت ابی بکرہ نقل کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ موزے پہننے والا اگر مقیم ہو تو ایک شب و روز ان پر مسح کرتا رہے اور اگر مسافر ہو تو تین شب و روز مسح جاری رکھے۔ امام ترمذی ان احادیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اہل علم صحابہ و تابعین اور ان کے بعد آنے والے فقہا انہی احادیث پر عمل پیرا ہیں۔

(۲) اس حدیث کو اصحاب سنن نے روایت کیا اور ترمذی' ابن حبان اور حاکم نے بروایت حضرت فریعہ بنت مالک صحیح قرار دیا ہے۔ مسند احمد ج ۶ ص ۳۸۰ ۔

(۳) مسند احمد حدیث نمبر ۷۸۳ ۔ ۷۸۴ مطبوعہ المکتب الاسلامی۔

۶۔ حدیث توبہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میں آنحضور سے کوئی حدیث سنتا' توامکانی حد تک اس سے مستفید ہوتا اور جب کوئی دوسرا شخص مجھے آپ کی حدیث سناتا' تو میں اسے حلف دیتا۔ جب وہ شخص حلف اٹھالیتا' تو میں اس کی بیان کردہ حدیث قبول کرلیتا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز توبہ پر مشتمل مجھے مشہور حدیث سنائی۔ اور ابوبکر صدیقؓ نے سچ فرمایا:(۱)

۷۔ جب فوت شدہ خاوند والی عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت کتنی ہو گی؟

حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب فوت شدہ خاوند والی عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت ابعد الاجلین (عدت وفات اور وضع حمل دونوں میں سے جس کی مدت دراز تر ہو) ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ

---

(۱) اس حدیث کو امام احمد' ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے آنحضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرے اور پھر اچھی طرح وضو کرکے دو رکعت نماز ادا کرے' پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی طلب کرے' تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کردیتا ہے۔"

پھر حضور اکرم ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَ مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (آل عمران:۱۳۵)

"اور وہ لوگ جو کوئی بے حیائی کا کام کرتے یا اپنی جان پر ستم ڈھاتے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں (تو اللہ انھیں معاف کردیتا ہے) اور اللہ کے سوا اور کون گناہ معاف کرتا ہے؟

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث جید الاسناد ہے۔

"اور وہ حدیث جس میں حضرت علی کا یہ قول ہے کہ آپ راوی سے تہمت دور کرنے کے لیے حلف لے لیا کرتے تھے' جسے امام ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں روایت کیا اور حسن قرار دیا ہے۔ یہ خبر واحد کے مقبول ہونے کی دلیل ہے' ملاحظہ فرمائیے: الروض الباسم' یمانی ج ۱ ص ۵۴" (سیف)

عنہا کی یہ حدیث معلوم نہ تھی کہ جب ان کے خاوند سعد بن خولہ کا انتقال ہو گیا تو انھیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ان کی عدت وضع حمل ہے[1]

۸۔ بلا مہر منکوحہ عورت کے مہر کا مسئلہ

حضرت علی، زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے فتویٰ دیا کہ جب ایسی عورت کا خاوند فوت ہو جائے جس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو، تو اسے کوئی مہر نہیں ملے گا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان حضرات کو رسول اکرم ﷺ کے اس حکم سے آگاہی حاصل نہ ہوئی جو آپ نے بروع بنت واشق رضی اللہ عنھا کے بارے میں صادر فرمایا تھا۔[2]

۹۔ وہ مسائل جو حضرات صحابہؓ کو معلوم نہ تھے

صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم جن دینی احکام و مسائل سے آگاہ نہ تھے، ان کی تعداد بہت ہی زیادہ ہے، جہاں تک صحابہ کے علاوہ دیگر حضرات کے نامعلوم مسائل کا تعلق ہے، ان کا احاطہ ممکن نہیں کیونکہ وہ ہزاروں سے متجاوز ہیں۔

ظاہر ہے کہ صحابہ اس امت میں سب سے بڑے عالم، فقیہ، صاحب تقویٰ اور علم و فضل میں عدیم النظیر تھے۔ اس سے عیاں ہے کہ صحابہ کے بعد جو لوگ آئے، وہ ان سے بہر حال کم تر تھے۔ جب صحابہ بکثرت مسائل سے ناآشنا رہے، تو بعد میں آنے والے لوگوں کا بعض احادیث نبویہ سے آگاہ نہ ہونا واضح تر اور کسی شبہ سے پاک ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جو عیاں را چہ بیاں کی مصداق ہے۔

۱۰۔ کسی امام کو تمام صحیح احادیث معلوم نہ تھیں

جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ تمام صحیح احادیث ہر امام کو یا کسی خاص امام کو معلوم

(۱) اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے یکساں قسم کے الفاظ کے ساتھ بروایت سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنھا روایت کیا ہے۔

(۲) اس حدیث کو امام احمد اور اصحاب سنن نے روایت کیا اور ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ یاد رہے کہ بروع مذکورہ کے خاوند کا نام نامی ہلال بن مرہ اشجعی تھا۔

تھیں، وہ خطاکار ہے اور بدترین غلطی میں مبتلا ہے۔ اسی طرح یوں کہنا بھی غلط ہے کہ چونکہ احادیث نبویہ کو کتب حدیث میں یکجا کیا جا چکا ہے اور وہ مدون صورت میں موجود ہیں، اس لیے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

یہ بات اس لیے غلط ہے کہ کتب حدیث کی جمع و تدوین اس وقت عمل میں آئی جب ان ائمہ کا دور ختم ہو چکا تھا، جن کی اتباع کی جاتی تھی۔ ان کے عصر و عہد میں یہ کام انجام پذیر نہیں ہو سکا تھا۔

تاہم یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ آنحضور ﷺ کی تمام احادیث موجودہ و مروجہ کتب احادیث میں موجود ہیں اور کوئی حدیث ان سے باہر نہیں ہے۔[1] بفرض محال اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کتب احادیث تمام احادیث رسولؐ موجود ہیں، تو بھی کسی ایک شخص کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ان کتب میں مندرج تمام احادیث سے آگاہ ہے، کوئی بھی شخص اس وصف سے بہرہ ور نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ کسی شخص کے پاس کتب حدیث کا وافر ذخیرہ تو موجود ہوتا ہے، مگر اس کا علم ان کے مندرجات پر حاوی نہیں ہوتا۔

اس کے عین برعکس یہ حقیقت ہے کہ کتب حدیث کی جمع و تدوین سے قبل کے علماء، متأخرین کی نسبت سنت رسولؐ کا زیادہ علم رکھتے تھے، اس لیے کہ جو احادیث نبویہ ان تک پہنچیں اور انھوں نے ان کو صحیح بھی ٹھہرا لیا، بعض اوقات وہ ہمیں ایسے شخص کے ذریعے پہنچی ہیں، جو مجہول الحال ہے اور اس کو ثقہ غیر ثقہ ہونے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں یا وہ احادیث منقطع سند کے ساتھ ہم تک پہنچیں کہ ان کا سلسلہ نقل و روایت ہی منقطع و غیر مربوط ہے اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ وہ احادیث سرے سے ہم تک پہنچی ہی نہ ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے مبارک سینے احادیث نبویہ کے سفینے تھے اور ان میں کتب حدیث سے کہیں زیادہ احادیث محفوظ تھیں اور یہ ایک ایسی بدیہی بات ہے کہ حدیث کا علم رکھنے والا

---

(1) ڈاکٹر صبحی صالح "علوم الحدیث" میں فرماتے ہیں کہ تمام احادیث نبویہ کو شمار کرنا اور انھیں کسی کتاب میں خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، جمع کرنا مشکل ہے۔ علامہ سیوطی نے مقدور بھر کوشش کر کے تمام احادیث نبویہ کو اپنی کتاب "جمع الجوامع" میں یکجا کرنا چاہا تو انھوں نے ابھی تک اس کتاب میں صرف ایک لاکھ احادیث ہی جمع کی تھیں کہ کتاب کی تکمیل سے قبل ان کا انتقال ہو گیا۔ (سیف)

کوئی شخص اس کو شک وشبہ کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔

۱۱۔ مجتہد ہونے کے لیے تمام احادیث کا عالم ہونا ضروری نہیں

یوں کہنا بھی درست نہیں کہ جو شخص تمام احادیث کا عالم نہیں وہ مجتہد نہیں بن سکتا۔ اگر یہ شرط عائد کی جائے کہ مجتہد وہ شخص ہو سکتا ہے جو دینی احکام کے بارے میں حضور ﷺ کے جملہ اقوال واعمال کا علم رکھتا ہو تو پوری امت میں ایک مجتہد بھی اس معیار پر پورا نہیں اتر سکے گا[1] ایک عالم کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اکثر وبیشتر دینی احکام ومسائل سے آگاہ وآشنا ہو اور بہت کم مسائل اس کی نظر سے پوشیدہ ہوں۔

ترک حدیث کا دوسرا سبب

کوئی امام جب کسی حدیث پر عمل نہیں کرتا' تو اس کی دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ حدیث اگرچہ امام کو معلوم ہوتی ہے' مگر وہ اس حدیث کی صحت کو تسلیم نہیں کرتا۔ صحت کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ اس حدیث کا راوی یا راوی کا شاگرد یا اس اسناد کا کوئی دوسرا شخص امام کے نزدیک مجہول الحال ہوتا ہے یا کذب سے متہم ہوتا ہے' یا اس کا حافظہ خراب ہوتا ہے۔ امام کسی حدیث کو اس لیے بھی قابل عمل تصور نہیں کرتا کہ وہ حدیث اس تک مرفوعاً نہیں بلکہ منقطع صورت میں پہنچتی ہے۔ اسناد کی کڑیاں باہم نہیں ملتیں یا اس نے حدیث کے الفاظ کو ضبط نہیں کیا ہوتا' حالانکہ وہ حدیث دیگر محدثین کے نزدیک ثقہ راویوں

(۱) امام ابن تیمیہؒ کی رائے میں اجتہاد کوئی ناقابل تجزی وتقسیم امر نہیں ہے' چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ یہ ہو سکتا ہے کہ آدمی کسی ایک فن' یا ایک باب یا کسی ایک مسئلہ میں مجتہد ہو مگر کسی دوسرے فن' باب یا مسئلہ میں مجتہد نہ ہو کیونکہ ہر شخص کا اجتہاد اس کی اپنی صلاحیت کے مطابق ہوتا ہے۔ ایک شخص کسی ایسے مسئلہ کا جائزہ لیتا ہے' جس میں علماء کا اختلاف ہے اور وہ یہ دیکھتا ہے کہ ایک قول کی تائید میں تو نصوص موجود ہیں اور ان کے معارض کوئی دیگر نصوص اس کے علم میں نہیں' تو اب اس کے سامنے دو باتیں ہیں یا تو اس قول کو اختیار کرلے جس کی تائید وحمایت میں اس کے سامنے نصوص موجود ہیں یا انھیں چھوڑ کر کسی قائل کے قول کو محض اس وجہ سے اختیار کرلے کہ وہ اس کا امام ہے اور اس کے مذہب سے یہ وابستہ ہے تو اس کی وابستگی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ مجموع الفتاوی ج ۲۰ ص ۲۱۲ (سیف)

سے بسند متصل مروی و منقول ہوتی ہے اور ان کو اس مجہول راوی کا بھی پتہ ہوتا ہے کہ وہ ثقہ راوی ہے۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ حدیث کسی دوسری سند سے مروی ہو اور اس میں کوئی راوی بھی مجروح نہ ہو اور نیز وہ سند متصل بھی ہو اور اس میں انقطاع کا سرے سے وجود ہی نہ ہو۔ مزید بر آں حفاظ حدیث نے اس کے الفاظ کو اچھی طرح ضبط بھی کیا ہو یا اس حدیث کے لیے ایسے شواہد و متابعات پائے جاتے ہوں' جن سے اس کے صحیح ہونے کی تائید ہوتی ہو۔

ایسی احادیث کے نظائر و امثال تابعین' تبع تابعین اور مشہور ائمہ کے ہاں بکثرت پائے جاتے ہیں اور ان کی تعداد قسم اول سے بھی زیادہ ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی احادیث مختلف علاقوں اور شہروں میں پھیل گئیں' ان میں بکثرت احادیث ایسی بھی تھیں' جو اکثر علماء تک ضعیف اسناد کے ساتھ پہنچیں۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ وہی احادیث بعینہ دیگر علماء تک اسناد صحیحہ مرفوعہ کے ساتھ پہنچیں اور اس طرح دین میں حجت قرار پائیں' حالانکہ ان اسانید کے ساتھ وہ دیگر علماء تک پہنچی ہی نہ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ائمہ اکثر و بیشتر یوں کہہ دیتے ہیں۔

"اندریں مسئلہ میرا قول یہ ہے اور فلاں حدیث پر مبنی ہے۔ اگر وہ حدیث صحیح الاسناد ہے تو پھر میرا قول یہی ہے۔"

ترکِ حدیث کا تیسرا سبب

کوئی امام جب کسی حدیث پر عمل نہیں کرتا' تو اس کی تیسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ امام اپنے اجتہاد کی بنا پر اس حدیث کو ضعیف تصور کرتا ہے جبکہ دیگر ائمہ و علما اس حدیث کو ضعیف قرار نہیں دیتے۔ علاوہ ازیں اس حدیث کو ضعیف قرار دینے والا امام اس حدیث کے دیگر طرق و اسانید کی جانب بالکل توجہ نہیں دیتا کہ آیا وہ صحیح ہیں یا ضعیف۔ ایسے موقع پر دونوں احتمال پائے جا سکتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث فی الواقع ضعیف ہو۔ اور اس امر کا بھی امکان ہے کہ دوسرے امام کا اجتہاد درست ہو اور وہ صحیح ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں امام اپنی اپنی جگہ حق و صواب پر ہوں' اس لیے کہ یہ مقولہ عام طور پر مشہور ہے "کُلُّ مُجْتَهِدٍ مُصِيبٌ" (ہر مجتہد کا اجتہاد درست ہوتا ہے)

مندرجہ صدر اختلاف چند اسباب پر مبنی ہے:

۱۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کے کسی راوی کو ایک امام ثقہ قرار دیتا ہو اور دوسرا ضعیف تصور کرتا ہو۔ ظاہر ہے کہ رجال و رواۃ کی جان پہچان اور چھان پھٹک کا کام بڑا وسیع ہے' جو امام حدیث کے راوی کو ضعیف سمجھتا ہے' بعض اوقات اس کی بات قرین صواب ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں کونسا فنی سقم پایا جاتا ہے۔

اور بعض اوقات ثقہ قرار دینے والے کی بات درست ہوئی ہے۔ اس لیے کہ وہ سمجھتا ہے کہ نقاد نے حدیث کے ضعیف ہونے کی جو وجہ بیان کی ہے' وہ درست نہیں اور اس کی بنا پر حدیث کو ضعیف قرار نہیں دیا جا سکتا' کیونکہ وہ حدیث کے اسباب ضعف میں سرے سے شامل ہی نہیں یا یہ کہ حدیث پر جو جرح کی گئی ہے' فلاں سبب کی بنا پر مؤثر نہیں۔ ظاہر ہے کہ حدیث کی نقد و جرح کا باب بڑا وسیع الذیل ہے۔ اسماء الرجال کے علماء کے یہاں بھی بالکل اسی طرح اجماع و اختلاف پایا جاتا ہے' جس طرح دیگر علماء کے یہاں باقی علوم و مسائل میں۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام یہ سمجھتا ہے کہ اس حدیث کے راوی کا سماع اپنے شیخ سے ثابت ہی نہیں' حالانکہ دیگر محدثین سماع کے قائل ہوتے ہیں اور ان کے یہاں ایسے مثبت دلائل بھی موجود ہوتے ہیں کہ جن سے سماع ثابت ہوتا ہے۔

۳۔ اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ حدیث کا راوی دو حالات کا شکار ہو:

ا۔ صحت کی حالت ۲۔ حالت مرض

مثلاً یہ کہ اس کے حافظہ میں خرابی پیدا ہو گئی ہو یا اس کی کتب' جن میں احادیث مندرج تھیں' نذر آتش ہو گئی ہوں۔ ظاہر ہے کہ ایسے راوی نے استقامت کی حالت میں جو حدیثیں روایت کیں' وہ صحیح ہیں اور جو اضطراب کی حالت میں روایت کیں وہ ناقابل تسلیم ہیں۔[1] اب اس بات کا پتہ چلانا کاردار دوالی بات ہے کہ آیا یہ حدیث اس

(۱) علامہ احمد محمد شاکر نے ایک راوی "هشیم" کے بارے میں لکھا ہے کہ اس میں ضعف ہے' یہ امام زہری

نے حالت صحت میں روایت کی ہے یا مرض میں، مگر بعض محدثین کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ حدیث اس نے کس دور میں بیان کی، اس طرح وہ حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

۴۔ اس کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ راوی ایک مرتبہ بیان کرنے کے بعد اسے بھول گیا ہو اور پھر وہ حدیث اس نے کبھی بیان نہ کی ہو یا بالکل انکار کر دیا ہو کہ میں نے یہ حدیث کبھی روایت ہی نہیں کی۔ بنابریں ایک امام اس حدیث پر اس لیے عمل نہیں کرتا کہ حدیث کا راوی خود اس کی نقل و روایت سے انکار کر رہا ہے۔ بخلاف ازیں دوسرا عالم یا امام اس حدیث کے ساتھ استدلال کرنے کو درست خیال کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا اختلاف عام طور سے معروف ہے۔

۵۔ ترکِ حدیث کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ اکثر حجازی محدثین عراقی اور شامی راویوں کی احادیث سے استدلال نہیں کرتے، جب تک کہ اس حدیث کی اصل خود حجاز کے اندر موجود نہ ہو، حد یہ ہے کہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ:

"اہل عراق کی روایت کردہ احادیث کو اہل کتاب کی مرویات کا مرتبہ دو، نہ ان کی تصدیق کرو اور نہ ہی تکذیب"

ایک محدث سے پوچھا گیا کہ سفیان (۱)، منصور (۲) سے، وہ ابراہیم (۳) سے، وہ علقمہ (۴) سے اور علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں، تو کیا ایسی

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ: کے پاس گیا تھا اور ان سے اس نے دس احادیث لیں اور جب یہ واپس لوٹا تو اسے اس کا ایک دوست ملا اور اس نے اس سے پوچھا کہ امام زہری سے ملاقات کیسی رہی؟ اس نے ہاتھوں کے ساتھ اشارہ کر کے بتانا چاہا تو اس وقت اتفاق سے بہت تیز ہوا چل رہی تھی، جو اس کے ہاتھ سے وہ تمام کاغذات اڑا لے گئی، جن پر امام زہری سے سنی ہوئی احادیث لکھی تھیں، تو اس کے بعد ھشیم اپنے حافظہ سے بیان کرتے رہے، حالانکہ وہ انھیں ابھی تک اچھی طرح حفظ نہ کر سکے تھے۔ جس کی وجہ سے کئی احادیث کے بیان کرنے میں وہ وہم کا شکار ہو جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ امام زہری سے روایت کریں تو وہ ضعیف ہیں، الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث، علامہ محمد احمد شاکر (سیف)

(۱) سفیان بن سعید بن مسروق، ثوری، ابو عبداللہ، کوفی، جلیل القدر ائمہ میں سے ہیں۔ ۹۷ھ میں ولادت اور بصرہ میں ۱۶۱ھ میں وفات ہوئی۔ تفصیلی حالات کیلئے ملاحظہ فرمایئے تاریخ بغداد ۱۵۱/۹، تذکرۃ الحفاظ

روایت حجت ہے؟ انھوں نے کہا کہ اگر حجاز میں اس کی کوئی اصل موجود نہیں، تو ایسی روایت ہر گز حجت نہیں۔

عراقی راویوں کی روایات کو وہ اس لیے رد کرتے تھے کہ بزعم خویش اہل حجاز نے احادیثِ نبویہ کو اچھی طرح سے ضبط کیا اور سنت کو حفاظت و صیانت میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ علاوہ ازیں عراقی راویوں کی مرویات میں اضطراب پایا جاتا ہے، جس کی بنا پر ان کو قبول کرنے میں توقف سے کام لیا جاتا ہے۔

بقیہ حواشی صفحہ گذشتہ: ۱/۲۰۳، تہذیب التہذیب ۴/۱۱۱، حلیۃ الاولیاء ۱/۳۵۶، خلاصۃ تہذیب الکمال ۱۲۳، الرسالۃ المستطرفۃ ۲۱، شذرات الذہب ۱/۲۵۰، طبقات الشیرازی ۸۴، طبقات القراء لابن الجزری ۱/۳۰۸، طبقات المفسرین للداودی ۱/۱۸۶، العبر ۱/۲۳۵، الفہرست لابن الندیم ۲۲۵، اللباب ۱/۱۹۸، النجوم الزاہرۃ ۲/۳۹، وفیات الاعیان ۱/۲۱۰، طبقات الحفاظ ص ۲۹ (سیف)

(۲) منصور بن معتمر بن عبداللہ بن ربیعہ سلمی ابو عتاب کوفی، ائمہ کرام میں سے ہیں، ۱۳۲ھ میں انتقال ہوا، حالات کے لیے دیکھئے: تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۴۲، تہذیب التہذیب ۱۰/۳۱۲، حلیۃ الاولیاء ۵/۴۰، خلاصۃ تہذیب الکمال ۳۳۲، شذرات الذہب ۱/۱۸۹، طبقات ابن سعد ۶/۲۳۵، العبر ۱/۱۷۶، المعارف ۴۷۴ (سیف)

(۳) ابراھیم نخعی بن یزید بن قیس بن اسود ابو عمران انچاس یا اٹھاون برس کی عمر میں ۹۶ھ میں فوت ہوئے حالات کے لیے دیکھئے: تذکرۃ الحفاظ ۱/۷۳، تہذیب التہذیب ۱/۱۷۷، خلاصۃ تہذیب الکمال ۲۰، شذرات الذہب ۱/۱۱۱، طبقات ابن سعد ۶/۱۸۸، طبقات الشیرازی ۸۲، طبقات القراء لابن الجزری ۱/۲۹، العبر ۱/۱۱۳، اللباب ۳/۲۲۰، میزان الاعتدال ۱/۴۷، وفیات الاعیان ۱/۳ طبقات الحفاظ ۶۸ (سیف)

(۴) علقمہ بن قیس بن عبداللہ بن مالک نخعی ابو شبل کوفی کے حالات کے لیے ملاحظہ فرمایئے: تاریخ بغداد ۱۲/۲۹۶، تذکرۃ الحفاظ ۱/۴۸، تہذیب التہذیب ۷/۲۷۶، خلاصۃ تہذیب الکمال ۲۳۹، شذرات الذہب لابن الجزری ۱/۵۱۶، طبقات القراء للذہبی ۱/۴۴، العبر ۱/۱۶۶، طبقات ابن سعد ۶/۵۷، طبقات الشیرازی ۷۹، مرآۃ الجنان ۱/۱۴۳، النجوم الزاہرۃ ۱/۱۵۷، ان کی ولادت آنحضرت ﷺ کی حیات مبارک ہی میں ہوئی اور وفات ۷۱، ۷۲، ۷۳، یا ۷۵ھ میں ہوئی۔

بعض عراقی محدثین شامی راویوں کی مرویات کو ناقابلِ استدلال سمجھتے ہیں، لیکن اکثر لوگ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ حدیث کی جانچ پرکھ کا اصل معیار یہ ہے کہ حدیث کی سند اگر جید ہے تو قابل استدلال ہے، قطع نظر اس سے کہ اس کا راوی حجازی ہے، عراقی ہے، شامی ہے یا کسی اور جگہ میں بود و باش رکھنے والا ہے۔ [1]

صاحب سنن امام ابو داؤد [2] رحمہ اللہ نے مختلف بلاد و امصار میں رہنے والے راویان حدیث کی منفرد روایات کو ایک کتاب میں جمع کیا ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے تفصیلاً بیان کیا ہے کہ کون سی احادیث ایسی ہیں جو محض اہلِ مدینہ کے یہاں مسنداً پائی جاتی ہیں اور کون سی ایسی مرویات ہیں جو دیگر بلاد و دیار مثلاً مکہ طائف، دمشق، حمص، کوفہ اور بصرہ کے رہنے والوں کے یہاں مروی و منقول ہیں اور دوسرے لوگوں تک وہ احادیث نہیں پہنچیں۔

ترک حدیث کا چوتھا سبب

ایک امام بعض اوقات کسی حدیث کو اس لیے بھی ترک کرتا ہے کہ وہ حدیث کے راوی میں جو حافظ ثقہ ہوتا ہے، بعض ایسی شرائط کا اضافہ کرتا ہے، جن کو دیگر محدثین تسلیم نہیں کرتے۔ مثلاً

---

(۱) امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اہل علم حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب سے صحیح حدیث وہ ہے جسے اہل مدینہ نے روایت کیا ہو، پھر اہل بصرہ اور پھر اہل شام کی حدیث سب سے صحیح ہے، ملاحظہ فرمایئے صحة مذهب اهل المدينة لابن تيميةؒ (سیف)

(۲) سید الحفاظ سلیمان بن اشعث بن اسحاق ازدی سجستانی مشہور امام اور صاحب سنن ہیں، آپ کی ولادت ۲۰۲ھ میں ہوئی۔ ابن الاعرابی کا قول ہے کہ اگر آدمی کے پاس کتاب اللہ اور سنن ابی داؤد ہو تو اسے علم کے لیے کسی اور کتاب کی ضرورت باقی نہ رہے گی، آپ کے حالات کے لیے ڈاکٹر محمد عجاج نے درج ذیل مصادر و مآخذ ذکر کیے ہیں: تاریخ بغداد ج ۹ ص ۵۵ ومابعد، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۵۲ سنن ابی داؤد و رسالۃ ابی داؤد الی اہل مکۃ، تحقیق شیخ زاہد کوثری، معالم السنن، خطابی ج ۱ ص ۱۰، ۱۱ المعجم المفہرس لابن حجر و تہذیب ابن قیم، التقۃ المرضیۃ ص ۲۷۵۔۲۷۶ فہرست ابن ندیم ص ۱۱۰۔ ۱۱۱ المعجم المفہرس لابن حجر ج ۱ ص ۵۱، شروط الائمۃ الستۃ ص ۱۲ شروط الائمۃ الخمسۃ ص ۵۳ ومابعد، جامع الاصول لابن الاثیر ج ۱ ص ۱۱۱۔ ۱۱۳ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ج ۱۱ ص ۵۴۔۵۵ (سیف)

۱۔ بعض محدثین نے کسی حدیث کو قبول کرنے کے لیے یہ شرط عائد کی ہے کہ پہلے اسے کتاب وسنت کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لیا جائے کہ کیا وہ ان کے خلاف تو نہیں۔

۲۔ بعض محدثین نے راوی کے فقیہ ہونے کی شرط لگائی ہے' خصوصاً جبکہ وہ حدیث خلاف قیاس ہو۔

۳۔ بعض علماء نے یہ شرط لگائی ہے کہ حدیث کو اس صورت میں قبول کیا جائے' جبکہ وہ لوگوں میں عام طور پر مشہور ہو چکی ہو' خصوصاً جبکہ حدیث کا تعلق ایسے معاملہ سے ہو جس کے ساتھ عوام کو اکثر سابقہ پڑتا ہے۔ اور اسی قسم کے دیگر شرائط۔

ترک حدیث کا پانچواں سبب

حدیث پر عمل نہ کرنے کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ راوی تک حدیث تو پہنچ چکی ہو اور اس کے نزدیک ثابت بھی ہو' مگر اسے یاد نہ رہی ہو۔ کتاب وسنت میں اس کے نظائر وامثال کی کمی نہیں' چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ حدیث تیمّم اور حضرت عمرؓ

حضرت عمرؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی شخص سفر کی حالت میں جنبی ہو جائے' پانی دستیاب نہ ہو تو وہ نماز کیسے ادا کرے ؟ فرمایا: جب تک پانی نہ ملے' نماز ادا نہ کرے۔ یہ سن کر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ اونٹوں کے ریوڑ میں مقیم تھے اور ہم پر جنابت طاری ہو گئی۔ پھر میں نے یہ کیا کہ مٹی پر ایسے لیٹنے لگا جیسا کہ چوپایہ لیٹتا ہے۔ (پھر نماز ادا کر لی) مگر آپ نے نماز ادا نہ کی اور یہ ماجرا بارگاہ نبوت میں عرض کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا آپ کے لیے تو صرف یہ کافی تھا:" یہ فرما کر حضور نے اپنے دونوں دست مبارک زمین پر مارے اور پھر ان دونوں کو اپنے منہ اور ہتھیلیوں پر مل لیا" یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے عمار! اللہ سے ڈریے" عمار کہنے لگے:" اگر آپ فرمائیں تو میں یہ حدیث بیان نہ کیا کروں ؟" فرمایا:" میرا مطلب یہ نہیں' جب آپ نے اس کی ذمہ داری اپنی ذات پر ڈالی ہے' تو ہم بھی اسے آپ پر ڈالتے ہیں" (۱)

(۱) امام مسلم نے اس حدیث کو مکمل طور پر روایت کیا ہے۔ امام بخاری اور اصحاب سنن نے قدرے مختصر مگر

ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا سنت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بذات خود معلوم تھی' مگر آپ کو یاد نہ رہی' حتیٰ کہ اس کے خلاف فتویٰ بھی صادر کر دیا۔ بعد ازاں حضرت عمارؓ نے آپ کو یاد دلانے کی کوشش کی' تاہم آپ کے ذہن میں اس کی یاد تازہ نہ ہو سکی۔ آپ نے حضرت عمارؓ کی تکذیب نہیں کی' بلکہ آپ کو یہ حدیث بیان کرنے کا حکم فرمایا۔

۲۔ فاروق اعظمؓ بر سر منبر

اس سے بھی مؤثر تر مثال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے منبر رسولؐ پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''جو شخص رسول اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات اور بیٹیوں سے زیادہ مہر مقرر کرے گا میں اسے رد کر دوں گا''

یہ سن کر ایک خاتون بولی: امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے جو چیز ہمیں عطا کی ہے' آپ اس سے ہمیں محروم کیوں کر رہے ہیں؟ پھر اس نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔

﴿وَ اٰتَيْتُمْ اِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا﴾ (۱)

(النساء: ۲۰)

(اور تم نے ان خواتین میں سے کسی ایک کو خزانہ عطا کر رکھا ہو' تو اس سے کچھ بھی واپس نہ لو)

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ: ملتے جلتے الفاظ میں یہ حدیث روایت کی ہے۔

مندرجہ بالا حدیث میں دو باتوں کا ذکر کیا گیا ہے:

ا۔ ایک یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی ازواج و بنات کے لیے مقرر کردہ مہر سے زیادہ مہر مقرر کرنے سے منع فرمایا۔

۲۔ دوسری یہ کہ ایک خاتون نے آپ پر تنقید کی اور مذکورہ صدر آیت سے استدلال کیا۔ زیادہ مہر مقرر کرنے سے ممانعت کی حدیث کو امام احمد نے مسند میں اور اصحاب سنن (ابو داؤد' نسائی' ترمذی' ابن ماجہ) نے بطریق محمد بن سیرین از ابو العجفاء السلمی روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو فرماتے سنا۔ ''لوگو! عورتوں کے مہر میں اضافہ نہ کیا کرو۔ اگر مہر میں اضافہ عز و وقار کا موجب ہوتا یا خشیت ایزدی کی دلیل ہوتا' تو سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ اس پر عمل فرماتے۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی کسی بیوی یا بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر نہیں کیا' (ترمذی نے کہا کہ حدیث صحیح ہے)

خاتون کی بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے تسلیم کر لیا۔ آپ کو وہ آیت کریمہ یاد تھی' مگر اسے بھول گئے۔

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ: مہر کی کمی بیشی کا مدار و انحصار خاوند کی معاشی حالت پر ہے۔ امام مسلم ابو سلمہ عبد الرحمن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ رسول اکرم ﷺ کتنا مہر مقرر کیا کرتے تھے؟ فرمایا: آپ اپنی بیویوں کو ساڑھے بارہ اوقیہ یعنی پانچ سو درہم دیا کرتے تھے۔

حضرت امام مسلم صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کی ہے۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ کتنا مہر ادا کیا؟ عرض کیا: چاندی کے چار اوقیہ" حضور ﷺ نے فرمایا: "چار اوقیہ گویا تم چاندی' اس پہاڑ کو کرید کر نکالتے ہو؟"

(چونکہ وہ شخص مفلوک الحال تھا' اس لیے آپ نے چار اوقیہ کو اس کی حیثیت کے پیش نظر زیادہ تصور فرمایا)

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عام طور سے زیادہ مہر مقرر کرنے کو ناپسند فرمایا تھا اور اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں' جہاں تک اس واقعہ کا تعلق ہے کہ ایک خاتون نے حضرت عمر پر تنقید کی اور اس ضمن میں قرآنی آیت سے استدلال کیا تو اس کو محدث ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں مجالہ بن سعید راوی ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی "التقریب" میں لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ راوی نہیں' آخری عمر میں اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ یہ واقعہ کئی ایک سندوں سے مروی ہے اور ان سب میں انقطاع پایا جاتا ہے۔ مزید برآں اس خاتون کا استدلال آیت کریمہ سے اس لیے بھی درست نہیں کہ وہ آیت خلع والی عورت کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔

محولہ بالا آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ جب ایک بیوی کو ناپسند کرنے کی بنا پر اس کے ساتھ زندگی بسر کرنا تمھارے لیے ممکن نہ ہو اور تم اس کے عوض کسی اور عورت کو نکاح میں لانا چاہو' حالانکہ سابقہ بیوی سے کوئی بے حیائی کا کام بھی صادر نہیں ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ تم نے اس کو ڈھیروں مال بطور مہر یا تو نقد ادا کر دیا ہے اور یا ادا کرنے کا وعدہ کیا ہے اور وہ قرض کی طرح تمھارے ذمہ واجب الادا ہے۔ تو اندریں صورت مہر کے اس مال میں سے کچھ بھی واپس نہ لو' بلکہ اس مال کو اس کی اصل مالکہ کے پاس رہنے دو' اس لیے کہ تم سابقہ بیوی کو محض نفسانی خواہش کی پیروی میں چھوڑ رہے ہو اور اس عورت سے کوئی ایسی شرعی غلطی سرزد نہیں ہوئی' جس کی بناء پر اس مال کے کچھ حصہ کے لینے کا جواز تمھارے لیے پیدا ہو گیا۔

۳۔ اس کی مثال یہ بھی ہے کہ جنگ جمل کے دن جو کہ حضرت علی و عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین ہوئی تھی۔ حضرت علیؓ نے حضرت زبیر کو وہ عہد یاد دلایا جو رسول اکرم ﷺ نے ان دونوں حضرات سے لیا تھا۔ حضرت علیؓ کے یاد دلانے سے حضرت زبیرؓ کے ذہن میں بھی اس کی یاد تازہ ہو گئی اور وہ جنگ جمل میں شرکت کرنے سے باز رہے۔ [1]

ترک حدیث کا چھٹا سبب

بعض اوقات ایک امام یا عالم حدیث پر اس لیے بھی عمل نہیں کرتا کہ وہ اس کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ (ظاہر ہے کہ جب اس نے حدیث کا مفہوم ہی نہیں سمجھا' تو اس پر عمل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)

ذیل میں اس کی چند امثلہ ذکر کی جاتی ہیں:

ا۔ حدیث کا مفہوم نہ سمجھنے کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ لفظ راوی کے نزدیک غریب الاستعمال ہوتا ہے اور وہ اس کے مفہوم سے ناآشنا ہوتا ہے۔ مثلاً "المزابنہ [2]' المخابرۃ [3]

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ: ہو' مثلاً یہ کہ عورت بذات خود مرد سے علیحدگی کا مطالبہ کر رہی ہو اور اس طرح مرد کو طلاق دینے پر مجبور کر کے بداخلاقی کا مظاہرہ کر رہی ہو۔ جب بیوی سے کوئی ایسی حرکت سرے سے صادر ہی نہیں ہوئی تو پھر اس کے مال کے کچھ حصہ کو بلاوجہ اور بلاجواز تم اپنے لیے کیسے حلال تصور کرتے ہو؟

(۱) البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۴۰ میں ابن کثیر نے اس واقعہ کو بروایت ابویعلیٰ نقل کیا ہے۔ نیز محدث بیہقی و عبدالرزاق نے بھی اس واقعہ کو کئی ایک سندوں سے روایت کیا ہے۔ (یاد رہے کہ سلف و خلف کے یہاں ایسی مثالوں کی کچھ کمی نہیں۔)

(۲) بیع مزابنہ یہ ہے کہ کھجور کے درخت پر جو پھل ہو' اس کو خشک کھجوروں کے عوض فروخت کر دیا جائے۔ اس کا مادہ زبن ہے جس کے معنی دور کرنے کے ہیں۔ گویا بائع و مشتری دونوں ایک دوسرے کو اپنے اصل حق سے زائد دے کر دور کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بیع اس لیے ممنوع ہے کہ اس میں غبن اور جہالت پائی جاتی ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ فائدہ کس کو حاصل ہوا اور خسارہ میں کون رہا؟

(۳) مخابرہ کے معنی یہ ہیں کہ زمین کو پیداوار کے ایک خاص حصہ مثلاً تہائی یا چوتھائی کے عوض کاشت کے لیے دیا جائے۔

المحاقلہ (۱) الملامسۃ (۲) المنابذہ (۳) الغرر (۴)

اور مذکورہ بالا قسم کے غریب اور نادر الاستعمال الفاظ جن کی تشریح و توضیح میں علماء کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔

(۱) محاقلہ کے معنی ہیں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

ا۔ محاقلہ کے معنی ہیں زرعی اراضی کو گندم کے عوض کرایہ پر دینا۔ ایک دوسری حدیث میں اس کی تشریح اسی طرح کی گئی ہے۔ اس کو "محارثہ" بھی کہتے ہیں۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ محاقلہ زمین کو بٹائی پر دینے کو کہتے ہیں' وہ حصہ خواہ تہائی ہو یا چوتھائی۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ محاقلہ کے معنی ہیں کہ غلہ جب خوشہ میں ہو تو اس کو حاضر گندم کے عوض فروخت کر دیا جائے۔

۴۔ ایک قول کے مطابق کچی فصل فروخت کرنے کو محاقلہ کہتے ہیں۔ اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ غلہ ایک کیلی چیز ہے' جسے ناپا جاتا ہے اور دو غلے جب ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے ہوں' تو ان کی بیع کے جائز ہونے کی دو شرطیں ہیں: ا۔ ایک یہ کہ دونوں مقدار میں برابر ہوں ۲۔ دوسرے یہ کہ دونوں نقد ہوں' مگر محاقلہ کی صورت میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ دونوں میں سے زائد چیز کون سی ہے۔ آیا فصل جو کہ ہنوز ناپختہ ہے یا موجود غلہ جو اس کے عوض دیا جا رہا ہے۔

(۲) ملامسہ کا مطلب یہ ہے کہ کہ بائع یوں کہے کہ اگر تم نے میرے کپڑے کو چھو لیا' تو بیع منعقد ہو گئی۔ یا مشتری کہے کہ اگر میں نے تمہارے کپڑے کو ہاتھ لگایا' تو بیع کی تکمیل ہو گئی۔ بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ کسی چیز کو اس طرح ٹٹولا جائے کہ اس پر کوئی کپڑا وغیرہ لپٹا ہوا ہو اور اس طرح آدمی ٹھیک طرح سے اس کو دیکھ نہ پائے اور اسی حالت میں بیع کا انعقاد ہو جائے۔ اس بیع کے ممنوع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں (غرر) دھوکہ کا امکان ہے اور اس کے ساتھ ساتھ خرید و فروخت کے شرعی طریقہ سے فرار کی ایک صورت بھی ہے۔ بعض علماء نے ملامسہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ بائع مشتری سے یوں کہے کہ اگر رات کے وقت تم خرید کردہ چیز کو چھو کر دیکھ لو تو تمھیں اس کے واپس کرنے کا اختیار باقی نہیں رہے گا۔

(نہایہ ابن اثیر)

(۳) منابذہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص اپنے ساتھی سے کہے کہ یہ کپڑا میری جانب پھینکو یا یوں کہ کپڑا میں آپ کی جانب پھینکتا ہوں اور یہ کپڑے کا پھینک دینا ہی بیع کے منعقد ہو جانے کی علامت ہے۔ بعض علماء کے نزدیک منابذہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص یوں کہے جب میں یہ کنکری آپ کی طرف پھینک دوں' تو سودا پختہ ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اندریں صورت بائع و مشتری کے مابین عقد بیع سرے سے ہوا ہی نہیں' اس لیے یہ بیع درست نہیں۔ (نہایہ ابن اثیر)

(۴) غرر کا مطلب یہ ہے کہ مشتری بیچی جانے والی چیز کو دیکھ کر فریفتہ ہو جائے' مگر اس کی اندرونی حالت کا

غریب الفاظ پر مشتمل حدیث کی مثال یہ مرفوع حدیث ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اگر جبراً کسی کو طلاق دی جائے یا کسی کے زیر اثر غلام کو آزاد کیا جائے تو نہ تو عورت مطلقہ ہوگی اور نہ ہی غلام آزاد ہوگا۔ اس حدیث میں جو اغلاق کا لفظ ہے۔ اس کے معنی جبر کے بیان کیے گئے ہیں۔ جو لوگ اس کے خلاف ہیں وہ اس تشریح کو تسلیم نہیں کرتے۔ (۱)

نبیذ کی حلت و حرمت

بعض اوقات امام ایک حدیث پر اس لیے عمل نہیں کرتا کہ حدیث شریف میں جو لفظ استعمال ہوا ہے' امام کے لب و لہجہ اور عرف میں اس کا وہ مفہوم نہیں جو کہ نبی اکرم ﷺ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: پتہ نہ ہو کہ کیسی ہے۔ مشہور لغوی الازہری کے نزدیک بیع الغرر وہ ہے جس پر بھروسہ نہ کیا جاسکتا ہو۔ اس میں خرید و فروخت کی وہ تمام اقسام شامل ہیں جن کی حقیقت سے بائع و مشتری آگاہ نہ ہوں۔ باقی رہیں وہ احادیث جن میں اس قسم کے الفاظ مذکور ہیں' تو اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

ا۔ حضرت امام مسلم حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے "بیع الحصاۃ" (مشتری یہ کہے کہ جس چیز پر میری پھینکی ہوئی کنکری پڑ جائے وہ میری ہوئی اور "بیع الغرر" (اس کی تشریح قبل ازیں کی جاچکی ہے) سے منع فرمایا۔

۲۔ ابن ماجہ کے سوا دیگر اہل سنن نے روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے حضرت جابرؓ سے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا کہ رسول اکرم ﷺ نے بیع محاقلہ' مزابنہ اور مخابرہ سے منع فرمایا۔ ان تینوں کی تشریح قبل ازیں کی جاچکی ہے۔

(۱) اس حدیث کو امام احمد' ابوداؤد' ابن حبان اور حاکم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے۔ مگر محدث الذہبی اس کو ضعیف تصور کرتے ہیں۔

اغلاق جبر و اکراہ کو کہتے ہیں۔ ابن قتیبہ' الخطابی اور دیگر علماء سے یہی معنی منقول ہیں۔ ابوعبیدہ لغوی کہتے ہیں کہ اغلاق تنگ کرنے کو کہتے ہیں۔ اس حدیث سے ان علماء نے استدلال کیا ہے' جو کہتے ہیں کہ جس شخص کو طلاق دینے پر مجبور کیا جائے' اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اہل علم کی ایک جماعت اسی بات کی قائل ہے جبکہ علماء ہی کی ایک دوسری جماعت کے نزدیک عورت مطلقہ ہو جاتی ہے۔

حافظ ابن القیم کہتے ہیں کہ ہمارے استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے نزدیک اغلاق کا مفہوم ہوش و حواس اور قصد و ارادہ کا فقدان ہے لہذا اس میں مخبوط الحواس' مجنون' نشہ میں سرشار شخص اور مغلوب الغضب جو ہوش و حواس کھو بیٹھا ہو' سب شامل ہیں' اس لیے کہ یہ سب لوگ عقل و شعور اور قصد و ارادہ سے محروم ہوتے ہیں اور طلاق اس شخص کی واقع ہوتی ہے جو عقل و شعور اور ارادہ سے بہرہ ور ہو۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اغلاق سے غصہ کی حالت مراد ہے۔

کی زبان میں ہے' چنانچہ امام اس سے وہ مفہوم مراد لیتا ہے جس کے لیے وہ لفظ اس کی اپنی بولی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اس کی مثال وہ آثار و اقوال ہیں' جن میں "نبیذ" کی اجازت دی گئی ہے۔ بعض لوگوں نے یہاں نبیذ کی وہ قسم مراد لی ہے جو نشہ آور ہوتی ہے' اس لیے کہ ان کی زبان میں نبیذ کا لفظ اسی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے' حالانکہ نبیذ اس پانی کو کہتے ہیں جس میں مٹھاس پیدا کرنے کے لیے کھجوروں کو بھگو دیا جاتا ہے' چنانچہ بکثرت احادیث میں لفظ نبیذ کی یہی تشریح وارد ہوئی ہے۔

لفظ خمر: اس کی دوسری مثال "خمر" کا لفظ ہے' جو کتاب و سنت میں وارد ہوا ہے۔ عربی لغت کی بناء پر لوگوں نے اس سے انگوروں کا وہ شیرہ مراد لیا ہے جو سخت ہو چکا ہو' حالانکہ بعض احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خمر ہر اس مشروب کو کہتے ہیں جس میں نشہ کی کیفیت پائی جاتی ہو۔[1]

---

(۱) صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے منبر رسولؐ پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: "لوگو! شراب کی حرمت نازل ہو چکی ہے اور وہ مندرجہ ذیل پانچ چیزوں سے تیار کی جاتی ہے: ۱۔ انگور ۲۔ کھجور ۳۔ شہد ۴۔ گندم ۵۔ جو اور خمر (شراب) ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو عقل پر پردہ ڈال دے۔"

امام بخاریؒ حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ جب مدینہ منورہ میں شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا' تو وہاں پانچ قسم کے مشروب پائے جاتے تھے' مگر ان پانچوں میں انگور کا شیرہ شامل نہ تھا۔

اسی طرح صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو ان دنوں شراب نیم پختہ اور خشک کھجوروں سے تیار کی جاتی تھی۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں "جن دنوں شراب کی حرمت نازل ہوئی ان دنوں انگور کی شراب بنانے کا رواج بہت کم تھا۔ شراب زیادہ تر نیم پختہ اور خشک کھجوروں سے تیار کی جاتی تھی" اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں: "اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت کے سلسلے میں جب آیت نازل فرمائی تو اس وقت مدینہ میں کوئی شراب ایسی نہ تھی جو کھجوروں سے تیار نہ کی جاتی ہو۔ (صحیح مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابو عبیدہ' ابو طلحہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم

۳۔ بعض دفعہ حدیث پر عمل نہ کرنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس میں جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ یا تو مشترک یا مجمل ہوتا ہے یا اس میں حقیقت و مجاز دونوں طرح استعمال کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ چنانچہ امام اس لفظ سے قریب تر مفہوم مراد لیتا ہے' حالانکہ حدیث میں دوسرا مفہوم مراد ہوتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ آغاز اسلام میں بعض صحابہ نے " الخیط الابیض والخیط الاسود" کو سفید اور سیاہ دھاگے پر محمول کیا تھا۔(۱)

۴۔ اس کی ایک مثال یہ بھی کہ بعض علماً نے وضو کے احکام سے متعلق آیہ کریمہ ﴿ فَاغْسِلُوا

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ: کو شراب پلا رہا تھا جو نیم پختہ کھجوروں سے تیار کی گئی تھی۔ اتنے میں ایک شخص نے آ کر اطلاع دی کہ شراب کی حرمت کا حکم نازل ہو چکا ہے۔ ابو طلحہ بولے: انس اٹھو اور شراب کو پھینک دو' چنانچہ میں نے وہ شراب گلی میں بہادی۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر نے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور جو چیز بھی نشہ آور ہے' وہ حرام ہے۔ (صحیح مسلم' ابو داؤد' ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: شراب جن دو چیزوں سے تیار کی جاتی ہے' ان میں سے ایک کھجور ہے اور دوسری انگور (صحیح مسلم واصحاب السنن) سابقہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ خمر ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو عقل پر پردہ ڈال دے' اس لیے کہ خمر کے معنی دراصل ڈھانپ دینے کے ہیں اور جس چیز کی کثیر مقدار نشہ آور ہو' اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔ اگرچہ اس کا نام کچھ بھی رکھ دیا جائے۔ چنانچہ عصر حاضر میں اس قسم کے مشروبات رائج ہو چکے ہیں' جن کا نام اگرچہ شراب نہیں' تاہم ان میں نشہ کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا' میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے مگر اس کا نام تبدیل کر لیں گے۔ (مسند احمد' ابو داؤد)

(۱) حضرت عدی بن حاتم روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ﴾ نازل ہوئی تو میں نے دو دھاگے لیے' ایک سیاہ اور ایک سفید۔ میں نے دونوں دھاگے اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیے اور ان کو دیکھتا رہا۔ جب سفید دھاری رات کی تاریکی سے نمودار ہوئی تو دیکھنا بند کیا۔ صبح ہوئی تو بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر ماجرا عرض کیا۔ حضور نے فرمایا: تب تو آپ کا تکیہ بڑا وسیع ہے۔" (یعنی جو پوری کائنات پر محیط ہے) آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ سفید دھاگے سے مراد یہ ہے کہ دن کی سفیدی ظلمت شب سے ممیز و ممتاز ہو جائے۔ (صحیح بخاری و مسلم' نیز مسند احمد)

وُجُوۡهَكُمۡ وَ اَيۡدِيَكُمۡ ﴾ (النساء:۴۳) (اپنے منہ اور ہاتھوں کو دھو لو) میں اید یکم یعنی ہاتھوں سے بغل تک ہاتھ مراد لیے ہیں۔

۵۔ الفاظ کے معانی میں جو اختلاف رونما ہوتا ہے' اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ آیت یا حدیث میں جو لفظ مذکور ہوتا ہے' اس کی دلالت اپنے مفہوم پر ایک پوشیدہ چیز ہے' جس کا علم ہر شخص کو نہیں ہوتا۔ نیز اس لیے بھی کہ مفہوم پر دلالت کرنے کی جہات و اطراف میں وسعت پائی جاتی ہے اور اس کے فہم و ادراک میں سب لوگ یکساں قسم کے نہیں ہوتے' بلکہ ان میں تفاوت پایا جاتا ہے اور کسی کلام کے وجوہ و اطراف کا فہم و ادراک رب کریم کا خصوصی عطیہ ہے' جس میں سب لوگ برابر نہیں۔

۶۔ بعض اوقات ایک شخص ایک لفظ کے معنی کو من حیث العموم سمجھتا ہے مگر اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ عام معنی یہاں اس خاص مقام پر بھی ملحوظ ہے یا نہیں۔

۷۔ گاہے ایک عالم کو لفظ کا مفہوم بخوبی معلوم ہوتا ہے مگر اس کے حافظہ سے اتر جاتا ہے۔ اس کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کا احاطہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہی کر سکتا ہے۔

۸۔ بعض اوقات ایک شخص غلطی میں اس لیے مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ کلام کا صحیح مفہوم سمجھ نہیں پاتا اور اس سے وہ مفہوم مراد لیتا ہے' جس کی عربی زبان میں سرے سے گنجائش ہی نہیں' حالانکہ رسول اکرم ﷺ کو عربی جیسی مقدس زبان دے کر مبعوث کیا گیا تھا۔

۷۔ ترک حدیث کا ساتواں سبب

حدیث پر عمل بعض دفعہ اس لیے بھی نہیں کیا جاتا کہ راوی یا محدث یہ سمجھتا ہے کہ زیر نظر حدیث مسئلہ زیر بحث پر سرے سے دلالت ہی نہیں کرتی۔

اس سبب اور پہلے بیان کیے گئے سبب کے مابین یہ فرق و امتیاز پایا جاتا ہے کہ پہلے بیان کیے گئے سبب میں حدیث کا راوی یہ سمجھتا ہے کہ جو حدیث اس نے روایت کی ہے وہ مسئلہ زیر بحث پر دلالت نہیں کرتی' جبکہ مؤخر الذکر میں راوی یا امام کے نزدیک حدیث سے اس مسئلہ پر استدلال تو کیا جا سکتا ہے' مگر وہ استدلال اس کے نزدیک درست نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کے یہاں جو مسلمہ اصول و ضوابط پائے جاتے ہیں' وہ اس استدلال کی تردید

کرتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ امام یا راوی کا یہ قول قرین حق و صواب ہو یا غلط۔

مندرجہ ذیل اصول و ضوابط اسی سبب کے ذیل میں آتے ہیں۔

۱۔ حدیث روایت کرنے والا اس بات کا قائل ہو کہ وہ عام جس سے بعض کو مخصوص کیا گیا ہو حجت نہیں۔

۲۔ مفہوم مخالف دین میں حجت نہیں۔

۳۔ جب کوئی عام کسی سبب کی بنا پر دیا گیا ہو تو وہ اسی سبب تک محدود رہے گا۔

۴۔ امر کا صیغہ وجوب یا فوری تعمیل کا متقاضی نہیں ہوتا۔

۵۔ جو اسم معرف باللام ہو' اس میں عموم نہیں پایا جاتا۔

۶۔ افعال منفیہ اپنی ذات اور جملہ احکام کی نفی نہیں کرتے۔

۷۔ مقتضی میں عموم نہیں ہوتا' اس لیے مضمرات و معانی میں عموم کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا و علاوہ ازیں دیگر اصول و ضوابط۔

کسی حدیث پر عمل نہ کرنے کے سلسلے میں یہ سبب اس قدر وسیع الذیل ہے کہ اصول فقہ کے آدھے اختلافی مسائل اس کے دائرہ میں داخل ہیں۔ اگرچہ محض اصول و ضوابط دلالت کی ان تمام اقسام کو محیط نہیں' جن میں نزاع و اختلاف پایا جاتا ہے۔ مزید برآں اس قسم میں دلالت کی مختلف اقسام کے بارے میں یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کے افراد میں کونسا فرد ان میں داخل ہے اور کون سا نہیں۔ مثلاً ایک امام کسی حدیث پر اس لیے بھی عمل نہیں کرتا کہ اس حدیث میں جو لفظ وارد ہوا ہے' وہ مجمل ہے اور اس کا مفہوم واضح نہیں' اس لیے کہ وہ مشترک ہے اور کئی معانی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' جبکہ اس موقع پر کوئی قرینہ ایسا موجود نہیں' جس سے پتہ چلے کہ یہاں فلاں معنیٰ مراد ہے' فلاں مراد نہیں۔(۱)

ترک حدیث کا آٹھواں سبب

حدیث کو ترک کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ راوی نے اس حدیث سے جس مسئلہ پر استدلال کیا ہے' اس کے خلاف ایک ایسی دلیل موجود ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ راوی کا استدلال اس موضوع پر درست نہیں۔ مثلاً

(۱) ملاحظہ فرمایئے کتاب الحقیقۃ والمجاز مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ ج ۲۰ ص ۴۰۰۔ ۴۹۹ (سیف)

۱۔ جب ایک عام دلیل کسی خاص دلیل کے خلاف ہو۔

۲۔ مطلق اور مقید کے مابین اختلاف پایا جاتا ہو۔

۳۔ جہاں امر مطلق سے وجوب کی نفی ہوتی ہو۔

۴۔ جب حقیقت مجاز کے خلاف ہو۔

معارضہ کے جملہ اقسام اس سبب میں شامل ہیں اور ان کا دائرہ خاصا وسیع ہے۔ مزید بر آں اقوال کی دلالت میں تعارض پایا جانا اور بعض کو بعض کے مقابلے میں ترجیح دینے کا کام آسان نہیں' بلکہ یہ کسی طرح بھی ایک بحر ناپیدا کنار سے کم نہیں۔

۹۔ ترک حدیث کا نواں سبب

بعض اوقات امام ایک حدیث پر اس لیے عمل نہیں کرتا کہ اس کے خیال میں ایک دوسری حدیث اس کے خلاف ہوتی ہے۔ مابریں اس کے نزدیک یہ حدیث یا تو ضعیف ہے یا منسوخ ہے یا مؤول ہے' بشرطیکہ اس میں تاویل کی گنجائش موجود ہو' اس سبب کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ پہلی قسم یہ ہے کہ امام یہ سمجھتا ہو کہ اس حدیث کی مخالف حدیث فی الجملہ قابل ترجیح ہے۔ اس لیے یہ حدیث یا تو ضعیف ہے یا منسوخ ہے یا مؤول ہے۔ ان تینوں میں سے ایک بات ضرور ہے۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان تینوں قسموں میں سے اس کا تعلق کس قسم کے ساتھ ہے۔

۲۔ دوسری قسم یہ ہے کہ وہ پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے یا مؤول ہے' مگر حدیث کو منسوخ قرار دینے میں بعض اوقات اس سے غلطی سرزد ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ متأخر حدیث کو (جسے ناسخ ہونا چاہیے) غلطی سے متقدم سمجھ بیٹھتا ہے۔ (اور اس طرح اس حدیث کو جو دراصل ناسخ ہے' منسوخ تصور کرتا ہے)

اسی طرح جب امام یا راوی حدیث کی تاویل کرتا ہے' تو اس سے بعض دفعہ تاویل کرنے میں بھی غلطی صادر ہو جاتی ہے' مثلاً وہ حدیث کو ایسے معانی پہناتا ہے' جن کی اس کے الفاظ میں سرے سے گنجائش ہی نہیں یا اس کے الفاظ ہی اس معنی کو قبول نہیں کرتے۔

جب اگر حدیث کی مخالف دوسری حدیث موجود ہو تو بعض دفعہ مخالف حدیث

اس مفہوم پر دلالت ہی نہیں کرتی' جس کی بنا پر اسے مخالف تصور کیا گیا۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو حدیث مخالف ہے' سند یا متن کے اعتبار سے بلحاظ صحت وثقاہت اس کا درجہ پہلی حدیث سے فروتر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں پہلی حدیث کے سلسلے میں ان اسباب پر غور کیا جائے گا جو قبل ازیں ذکر کیے گئے ہیں۔

اجماع کا دعویٰ

اکثر و بیشتر صورتوں میں جب امام یا فقیہ کسی مسئلہ کے بارے میں اجماع کا دعویٰ کرتا ہے' تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کے علم و بصیرت کی حد تک دوسری کوئی دلیل اس کے مخالف موجود نہیں ہوتی۔ ہمیں بعض اکابر علماً کے بارے میں حتمی طور پر معلوم ہے کہ انھوں نے بعض دینی مسائل کے بارے میں ایک موقف محض اس لیے اختیار کیا کہ انھیں اس کے خلاف کسی دلیل کا علم نہ تھا' حالانکہ ان کے یہاں جو دلائل موجود تھے' وہ اس کے خلاف تھے۔

کسی عالم کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی ایسے قول کا اظہار کرے جس کے بارے میں اسے معلوم ہی نہیں کہ اس کا قائل کون ہے۔ خصوصاً جبکہ اسے یہ بھی معلوم ہو کہ عام لوگ اس کے خلاف ہیں اور اس کو درست تسلیم نہیں کرتے حتیٰ کہ بعض علماء ایسے موقع پر جملہ شرطیہ استعمال کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ اگر مسئلہ زیر بحث کے سلسلے میں اجماع منعقد ہو چکا ہو تو اس کی پیروی کرنی چاہیے اور اگر اجماع منعقد نہیں ہوا' تو پھر اس ضمن میں میرا قول یہ ہے:

اس کی مثال بعض علماء کا یہ قول ہے:

"میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے غلام کی شہادت کو جائز قرار دیا ہو۔"(۱)

---

(۱) حضرت انسؓ کا قول ہے کہ "مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے غلام کی شہادت کو رد کیا ہو" اس سے معلوم ہوا کہ غلام کی شہادت کو رد کرنے کا قول عہد صحابہ کے دور کے بعد سے تعلق رکھتا ہے اور یہ قول مشہور اس وقت ہوا جب امام مالک' شافعی اور ابو حنیفہ نے اسے اختیار کیا اور ان کے پیروکاروں نے اس قول کے مطابق فیصلہ کرنا اور فتویٰ دینا شروع کیا اور امام مالک کے زمانہ میں بھی چونکہ یہی قول مشہور تھا اس لیے امام مالک نے فرمایا: 'مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے غلام کی شہادت کو قبول کیا ہو" حالانکہ حضرت انس بن مالک کا قول

حالانکہ حضرت علی' انس اور شریح رضی اللہ عنہم کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ غلام کی شہادت کو درست تسلیم کرتے ہیں۔

ایک عالم کا قول ہے:

"اس بات پر علماء کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ جس غلام کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا ہو اور باقی حصہ ہنوز غلام ہو' اسے وارث قرار نہیں دیا جاسکتا۔"

جبکہ حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ایسے غلام کو وارث ٹھہراتے ہیں اور اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ سے حسن کے درجہ کی ایک حدیث مروی و منقول ہے۔(۱)

ایک عالم فرماتے ہیں: "مجھے نہیں معلوم کہ کسی عالم نے انبیا کرام پر درود بھیجنے کو واجب قرار دیا ہو۔"(۲)

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ: اس کے خلاف ہے۔ ملاحظہ فرمایئے الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة ص ۲۴۳۔۲۴۹ مکتبہ المدنی القاہرہ (سیف)

(۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: مکاتب جس قدر بدل کتابت ادا کرے' اسی قدر اسے آزاد سمجھا جائے گا اور غلام کا جس قدر حصہ آزاد ہو اسی نسبت سے اس پر شرعی حد قائم کی جائے گی اور اسی آزادی کی نسبت سے وہ ورثہ حاصل کر سکے گا" اس کو نسائی' ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن کے درجہ کی ہے۔

(۲) طحاوی' قاضی عیاض' خطابی اور ابن منذر نے کہا ہے کہ نماز میں آنحضرت ﷺ پر درود پڑھنا واجب نہیں ہے لیکن امام ابن قیمؒ نے ان لوگوں کی تردید کی ہے' جنھوں نے یہ کہا ہے کہ امام شافعیؒ نماز میں درود پڑھنے کو واجب قرار دینے میں متفرد ہیں۔ حالانکہ اسے واجب قرار دینے والوں میں ابن مسعود' ابن عمر' ابو مسعود' شعبی' مقاتل' ابن حبان' جعفر بن محمد' اسحاق بن راھویہ' امام احمد' اور امام شافعی بھی شامل ہیں۔ امام ابن قیم نے لکھا ہے کہ اگر ان دلائل کا احاطہ کیا جائے جو نماز میں درود پڑھنے کے وجوب کے بارے میں ہیں' تو ان کی تعداد دو سو تک پہنچ جائے۔ اس موضوع پر ان کی کتاب جلاء الافہام فی الصلوة والسلام علی خیر الانام" کثرت فوائد اور عزارت علم کے اعتبار سے منفرد اور بے مثال ہے۔ اس میں انھوں نے موضوع سے متعلق بہت سی احادیث کو ذکر فرمایا اور ان کی صحت' حسن اور ضعف کے پہلو کو بھی بہت عمدگی سے بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے جلاء الافہام ص ۱۸۲۔۲۰۲ (سیف)

حالانکہ نماز میں درود شریف کا وجوب ابو جعفر باقرؒ(۱) سے منقول ہے۔(۲)

اکثر علماء ایسے مسائل میں اجماع کا دعویٰ اس لیے کرتے ہیں کہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنے شہروں اور ملکوں کے جن علماء سے ان کی ملاقات ہوئی ہے' فلاں مسئلہ میں ان کا موقف یہ ہے' وہ دیگر علماء کے اقوال معلوم کرنے کو ضروری تصور نہیں کرتے۔

ہمیں اکثر متقدمین کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ صرف مدنی یا کوفی علماء کے اقوال کا علم رکھتے تھے۔ اسی طرح بکثرت متأخرین صرف دو یا تین ائمہ کے اقوال و آراء سے آگاہ تھے۔ ان کے علاوہ دیگر علماء کے اقوال کا معلوم کرنا ان کی رائے میں اجماع سے خارج تھا۔ اندریں صورت اس کے خلاف جو بھی قول ہوتا وہ اس کو خلاف اجماع تصور کرتے' حتی کہ اگر کوئی حدیث بھی اس کے خلاف ان کو مل جاتی' تو وہ اسے اس خطرہ کی بنا پر ترک کر دیتے کہ مبادا یہ اجماع کہ خلاف ہو یا وہ اس کو اجماع کے خلاف تصور کرتے تھے جبکہ اجماع ان کے نزدیک سب سے بڑی دلیل و برہان تھی۔

احادیث نبویہ کے مطابق عمل نہ کرنے کا سب سے بڑا عذر یہی ہے اور اکثر لوگ اسی بنا پر عمل بالحدیث کو ترک کرنے میں حقیقۃً معذور ہیں اور بعض معذور تو ہیں' مگر حقیقۃً نہیں۔ حدیث نبوی پر ترک عمل کے اکثر اسباب کا یہی حال ہے۔

ترک حدیث کا دسواں سبب

حدیث پر عمل نہ کرنے کا دسواں سبب یہ ہے کہ اس حدیث کے مقابلہ میں کوئی دوسری حدیث موجود ہو' جس کے بارے میں امام یہ تصور کرتا ہو کہ یہ حدیث یا تو ضعیف

---

(۱) امام ابو جعفر باقر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب نے اپنے والد گرامی اور اپنے دادا حضرت حسنؓ' حضرت حسینؓ' حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عمرؓ کے علاوہ ایک جماعت سے بھی روایت کیا ہے اور ان سے ان کے صاحبزادے حضرت امام جعفر صادق' عطا' ابن جریج' امام ابو حنیفہ' اوزاعی' زہری اور بے شمار لوگوں نے روایت کیا ہے' امام زہری نے انھیں ثقہ کہا اور امام نسائی نے مدینہ کے فقہاً تابعین میں شمار کیا ہے۔ ۶۳ برس کی عمر میں ۱۱۴ھ میں انتقال فرمایا۔ مفصل حالات کے لیے دیکھیے: تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۲۴ تھذیب التھذیب ۹/۳۵۰ طبقات ابن سعد ۵/۲۳۵ طبقات الشیرازی ۶۴' تذکرۃ الحفاظ سیوطی ص ۴۹' تعجیل المنفعۃ لابن حجر ص ۴۷۲ (سیف)

(۲) امام شافعیؒ کا قول بھی یہی ہے۔ تفصیل کے لیے امام ابن القیم کی کتاب "جلاء الافھام فی الصلوۃ علی خیر الانام" کی جانب رجوع فرمائیں۔

ہے یا منسوخ اور یا قابل تاویل ہے' حالانکہ دوسرے ائمہ اس حدیث یا اس جیسی دیگر احادیث کو مخالف خیال نہیں کرتے یا حقیقۃً بھی وہ حدیث ایک راجح معارض کی حیثیت نہ رکھتی ہو۔

مثلاً بکثرت اہل کوفہ بعض احادیث صحیحہ کو ظواہر قرآن سے متصادم خیال کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ظواہر قرآن میں جب عموم پایا جاتا ہو' تو اسے حدیث کے مقابلہ میں ترجیح دی جائے گی' حالانکہ جس کو وہ ظاہر قرآن تصور کرتے ہیں' دراصل وہ ظاہر ہے ہی نہیں' اس لیے کہ معنی و مفہوم پر دلالت کرنے کے وجوہ و اسباب مختلف و متعدد ہوتے ہیں۔

اسی بنا پر اہل کوفہ نے اس حدیث کو قبول نہیں کیا' جس میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر مدعی کے پاس دو گواہ نہ ہوں تو وہ ایک گواہ پیش کرے اور دوسرے گواہ کی جگہ حلف اٹھائے۔(۱) ایسا کرنے پر اس کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا جائے گا۔ اہل کوفہ نے اس حدیث کو اس لیے قبول نہیں کیا کہ قرآن مجید میں دو گواہ پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے' حالانکہ اہل علم سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ قرآن مجید میں بظاہر کوئی ایسی دلیل موجود نہیں' جس سے ثابت ہوتا ہو کہ ایک گواہ اور حلف کی بنا پر مدعی کے حق میں فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا' بالفرض اگر قرآن مجید میں ایسی کوئی بات موجود بھی ہوتی' تو ظاہر ہے کہ حدیث نبوی قرآن کریم کی ترجمان و مفسر ہے' لہٰذا وہی تفسیر معتبر ہو گی جو حدیث نبوی میں منقول و مذکور ہے۔

حدیث ترجمان قرآن ہے

مسئلہ زیر قلم کے بارے میں امام شافعیؒ نے جو کچھ فرمایا' وہ عام طور سے معروف و متداول ہے۔(۲) امام احمد بن حنبلؒ نے اس ضمن میں ایک مفصل رسالہ تحریر کیا ہے۔ جس

---

(۱) انھوں نے اس حدیث کو قرآن مجید کے ان الفاظ: ﴿واستشهدوا شهيدين من رجالكم﴾ کے ظاہر کی بنیاد پر رد کیا ہے' یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے ان الفاظ میں مروی ہے کہ "ان النبی ﷺ قضی بشاهد و یمین" اسے امام ترمذی' ابن ماجہ' ابوداؤد' شافعی نے روایت کیا اور امام ترمذی نے حسن غریب قرار دیا ہے۔ (سیف)

(۲) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک شاہد کے ساتھ یمین قرآن مجید کے ظاہر کے قطعاً مخالف نہیں ہے کیونکہ ہم دو گواہوں یا ایک گواہ اور دو عورتوں کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں اور جب گواہ ایک ہو تو ہم ایک

میں ان لوگوں کی تردید کی ہے' جو اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ قرآن کریم اس امر کا محتاج نہیں کہ حدیث نبوی سے اس کی تشریح و توضیح کی جائے۔[1] آپ نے اس ضمن میں جو دلائل وبراہین ذکر کیے ہیں' افسوس کہ اس کتاب کی تنگ دامانی ان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ جس حدیث سے کسی آیت کے عموم کی تخصیص ہوتی ہو یا آیت مطلق ہو اور حدیث سے اس کی تقیید ہوتی ہو یا حدیث سے کسی آیت کے مضمون میں اضافہ ہو تا ہو' ایسی احادیث کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ چونکہ ان سے زیادۃ علی النص لازم آتی ہے' اس لیے قابل قبول نہیں۔

۲۔ کسی آیت کو جو مطلق ہو' حدیث کی بنا پر مقید کرنے کے معنی یہ ہیں کہ گویا وہ آیت منسوخ ٹھہری' اسی طرح کسی عام آیت کی تخصیص حدیث کی بنا پر کرنا بھی اس کو منسوخ کرنے کے مترادف ہے۔

۳۔ اہل مدینہ کی ایک جماعت کسی صحیح حدیث کو اس بنا پر ترک کر دیتی ہے کہ اہل مدینہ نے اس پر عمل نہیں کیا' گویا ان کے نزدیک اہل مدینہ کا اس حدیث پر عمل نہ کرنا اس حدیث کی مخالفت پر اجماع ایک ایسی دلیل ہے جو حدیث کے مقابلے میں قابل ترجیح ہے۔[2]

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ: شاہد اور قسم کے ساتھ فیصلہ کریں گے اور یہ قرآن مجید کے مخالف نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کے مقررہ نصاب سے کم کے ساتھ فیصلہ کو قطعاً حرام قرار نہیں دیا' رسول اللہ ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کی مراد کو بہتر جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم بھی یہ دیا ہے کہ ہم اسے لے لیں جو رسول اللہ ہمیں عطا فرمائیں۔" الطرق الحکمیۃ فی السیاسیۃ الشرعیۃ ص ۱۹۸ مطبعۃ المدنی القاہرۃ" (سیف)

(۱) امام ابن قیم فرماتے ہیں کہ امام احمد اور امام شافعی نے ان لوگوں کی زبردست تردید کی ہے جو اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ احادیث نبویہ ظاہر قرآن کے مخالف ہیں۔ حضرت الامام احمد کی اس موضوع پر ایک مستقل کتاب ہے' جس کا نام "طاعۃ الرسول" ہے۔ اس میں آپ فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان کے لیے یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ کوئی ایک صحیح حدیث بھی ایسی نہیں ہے' جو کتاب اللہ کے مخالف ہو بلکہ تمام صحیح احادیث کتاب اللہ کے عین مطابق ہیں۔ الطرق الحکمیۃ ص ۱۰۷۔

(۲) اہل مدینہ کے ان ادوار کا اجماع جن کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: خیر القرون قرنی (سب سے بہتر زمانہ میرا ہے۔) تو حجت ہے اور اس کے بعد کے ادوار کے بارے میں لوگوں کا اتفاق ہے کہ وہ حجت نہیں ہے۔ مجموع الفتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی بیسویں جلد میں "صحۃ اصول مذہب اہل المدینۃ" کے نام سے ایک رسالہ بھی ہے' جس کا موضوع یہ ہے کہ اہل مدینہ کا اجماع حجت ہے یا نہیں؟ (سیف)

۴۔ اسی قاعدہ کی روشنی میں "خیار مجلس" کے مضمون پر مشتمل حدیث کی مخالفت کی گئی ہے، محض اس لیے کہ اہل مدینہ نے اس پر عمل نہیں کیا، حالانکہ اکثر علما کا زاویہ نگاہ اس ضمن میں یہ ہے کہ اہل مدینہ کی اس مسئلہ میں مختلف آراء ہیں۔ نیز یہ کہ اگر کسی مسئلہ پر اہل مدینہ کا اجماع منعقد ہو بھی جائے، مگر دوسرے علماً اس کے خلاف ہوں تو اندریں صورت حدیث پر عمل کیا جائے گا اور اہل مدینہ کے اجماع کو قابل اعتناء تصور نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ اسی طرح بعض لوگ قیاس جلی کے مقابلہ میں حدیث نبوی کو نظر انداز کر دیتے ہیں، وہ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس قسم کی احادیث کی بناء پر قواعد کلیہ سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔

مذکورہ بالا قسم کے معارضات ہیں، جو احادیث کے مقابلہ میں پیش کیے جاتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ معارضہ کرنے والا طریق حق و صواب پر گامزن ہو یا خطاء کا مرتکب ہو رہا ہو۔

تلك عشرة كاملة

ترک حدیث کے دیگر اسباب

عین ممکن ہے کہ کسی عالم کے ہاں کسی خاص حدیث پر عمل نہ کرنے کی کوئی دلیل موجود ہو جس کی ہمیں اطلاع نہ ہو، اس لیے کہ علم کے بہت سے درجات ہیں اور علماء کے باطن میں جو کچھ موجود ہے، ہم اس سے بخوبی آگاہ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اور ایک عالم گاہے اپنی دلیل بیان کرتا ہے اور گاہے نہیں کرتا، اور جب دلیل بیان کرتا ہے تو کبھی وہ دلیل ہم تک پہنچتی ہے اور کبھی نہیں پہنچتی اور اگر پہنچتی بھی ہے، تو کبھی ہم اس کے انداز استدلال کو سمجھتے ہیں اور کبھی نہیں سمجھتے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی بیان کردہ دلیل بجائے خود درست ہے یا غلط۔

یہ سب کچھ ہمارے ہاں درست سہی، تاہم اس بات کی کوئی وجہ جواز نہیں کہ جب ایک بات حدیث صحیح سے ثابت ہو جائے اور اہل علم کی ایک جماعت اس کی مؤید بھی ہو، تو ہم

اس کو محض اس لیے قابل اعتناء نہ سمجھیں کہ فلاں عالم کا قول اس کے خلاف ہے خواہ وہ کتنا بڑا عالم ہی کیوں نہ ہو' اس لیے کہ علماء کے اقوال و آراء میں خطاء کے راہ پا جانے کا احتمال شرعی دلائل میں غلطی واقع ہونے کی نسبت کہیں زیادہ ہے' اس لیے کہ شرعی دلائل تمام بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں جبکہ علماء کی آراء کو یہ مرتبہ و مقام حاصل نہیں۔

نیز یہ کہ شرعی دلیل کی تغلیط و تردید اس وقت تک نہیں کی جا سکتی' جب تک کوئی دوسری شرعی دلیل اس کی معارض و مخالف نہ ہو' مگر کسی عالم کی رائے اس وقعت کی حامل نہیں۔ اور اگر شرعی دلائل کو رد کرنے کا دروازہ اس طرح سے کھول دیا جائے' تو ہمارے پاس کوئی بھی شرعی دلیل موجود نہیں رہے گی۔ یہ درست ہے کہ بعض اوقات ایک عالم حدیث کو ترک کرنے میں معذور ہوتا ہے' مگر ہم اس کے ترک حدیث کے عذر کو تسلیم کرنے سے قاصر ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ (۱)

"یہ ایک جماعت گزر چکی' ان کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا اور تم کو تمھارے اعمال کا اور جو عمل وہ کرتے تھے' ان کی پرسش تم سے نہیں ہوگی۔"

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ﴾ (۲)

" اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو۔"

کسی شخص کے قول کی بناء پر حدیث نبویؐ کو ترک نہیں کیا جا سکتا

کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی کے قول کی بناء پر حدیث صحیح کو ترک کر دے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کسی شخص نے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ انھوں نے

(۱) البقرة:۱۳٤ (۲) النساء:۵۹

حدیث نبوی کی روشنی میں اس کا جواب دیا۔ وہ شخص کہنے لگا حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تو یوں کہتے ہیں تو حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا:

"کچھ بعید نہیں کہ تم پر آسمان سے سنگ باری ہونے لگے' میں کہتا ہوں رسول اکرم ﷺ نے یوں فرمایا اور تم کہتے ہو ابوبکر و عمر نے یوں کہا ہے۔"

اگر کسی حدیث کو مذکورہ صدر اسباب میں سے کسی سبب کی بنا پر ترک کیا گیا ہو اور اس حدیث صحیح میں کسی چیز کی تحلیل و تحریم کا ذکر کیا گیا ہو یا کسی بات کا حکم دیا گیا ہو تو اس حدیث کو ترک کرنے والے عالم کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے حرام کو حلال قرار دیا یا اس کے برعکس ایک حلال چیز کی تحریم کا مرتکب ہوا یا یہ کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کی خلاف ورزی کی۔

اسی طرح اگر کسی حدیث میں کسی فعل کے مرتکب ہونے پر کسی وعید یا لعنت یا اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب الٰہی کی دھمکی دی گئی ہو تو اس کام کو مباح قرار دینے یا اس کا ارتکاب کرنے والے عالم کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس وعید کا مصداق ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس کے بارے میں پوری امت مسلمہ متفق و متحد ہے' البتہ معتزلہ بغداد کی ایک قلیل جماعت اس کی مخالف ہے۔ مثلاً بشر مریسی (1) معتزلی اور اس کے ہمنوا اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ مجتہد سے جب اجتہاد میں غلطی صادر ہو تو اس کو اس کی سزا ملے گی۔

سزا کے مستحق نہ ہونے کی وجہ اہل اسلام کے نزدیک یہ ہے کہ کسی فعل حرام کے مرتکب کو سزا دینے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اس فعل کی حرمت سے یا تو آگاہ و آشنا ہو اور یا آگاہ ہونے کی استطاعت سے بہرہ ور ہو۔ جو شخص کسی گاؤں میں پلا بڑھا ہو' یا اس نے نیا نیا اسلام قبول کیا ہو۔ اور لاعلمی کی بنا پر کسی فعل حرام کا ارتکاب کر بیٹھا ہو' تو وہ شخص نہ تو گنہگار

(1) پورا نام بشر بن غیاث بن ابی کریمہ عبدالرحمٰن المریسی اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ یہ معتزلی فقہاء میں سے تھے اور فلسفہ سے بھی آگاہ و آشنا تھے۔ یہ معتزلہ کے مریسی فرقہ کے سرخیل تھے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ اعمال جزو ایمان نہیں۔ یہ فرقہ الٰہی کے نام سے موسوم ہے اور مریسی کہلاتا ہے۔ یہ جہمیہ میں سے تھے۔ انھوں نے متعدد کتب تصنیف کیں۔ عثمان بن سعید دارمی نے اس کی تردید میں ایک کتاب بنام "النقض علی بشر المریسی" تحریر کی ہے۔ بشر مریسی نے ۲۱۸ھ میں وفات پائی۔

ہی ہو گا اور نہ شرعی حد قائم کیے جانے کا مستحق ہو گا' اگرچہ اس نے اس چیز کو حلال قرار دینے کے سلسلے میں کسی شرعی دلیل سے استدلال نہ بھی کیا ہو۔ جب صورت حال یہ ہے تو جو شخص کسی چیز کو حرام قرار دینے والی حدیث سے آگاہ نہ ہو' بلکہ اس نے اس چیز کو مباح ٹھہرانے کے سلسلہ میں کسی شرعی دلیل پر اعتماد کیا ہو تو ایسے شخص کو معذور قرار دینا یقیناً اولیٰ و افضل ہو گا[1] اور ایسا شخص اپنے اجتہاد کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ صرف اجر و ثواب کا مستحق ہو گا بلکہ تعریف و توصیف کا سزاوار بھی ہو گا۔

قرآن عزیز میں فرمایا:

﴿وَ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ○ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا﴾[2]

"اور داؤد و سلیمان (کا حال بھی سن لو) جب وہ ایک کھیتی کا مقدمہ فیصل کرنے لگے جس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو چر گئیں (اور اسے روند گئی تھیں) تو ہم نے ان کے فیصلہ (کرنے کا طریق) سلیمان (علیہ السلام) کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکم (یعنی حکمت

---

(۱) اس اصول کے بارے میں لوگوں کے تین اقوال ہیں: ا۔ اللہ تعالیٰ نے حق کو ثابت کرنے کے لیے ہر مسئلہ کی دلیل بیان فرمائی ہے جس کے ساتھ اسے پہچانا جا سکتا ہے اور جو شخص بھی حق پہچاننے کے لیے مقدور بھر کوشش سے کام لے وہ اسے یقیناً پہچان لیتا ہے اور جو شخص کسی اصولی یا فروعی مسئلہ میں حق کو نہ پہچانے تو اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اس نے اسے پہچاننے کے لیے محنت و کوشش میں کوتاہی کی ہے۔ قدریہ و معتزلہ کا یہ مشہور قول ہے۔ ۲۔ مجتہد حق کو پہچان بھی سکتا ہے اور اس کے پہچاننے سے وہ عاجز و قاصر بھی رہ سکتا ہے اور اب یہ اللہ کی مرضی و مشیت پر منحصر ہے کہ وہ اگر چاہے تو عذاب دے یا بغیر کسی اصلی سبب کے اپنی نعمتوں سے نواز دے' یہ جہمیہ' اشعریہ اور بہت سے فقہاء کا قول ہے۔ ۳۔ ہر مجتہد حق کو نہیں پہچان سکتا اور وعید کا مستحق صرف وہی شخص ہے جو کسی مامور کو ترک کر دے یا محظور کا ارتکاب کرے۔ یہ ائمہ و فقہاء کا قول ہے۔ ائمہ سلف اور جمہور مسلمانوں کا یہی قول ہے اور یہی قول درست ہے۔ مجموع الفتاویٰ ابن تیمیہ" ج ۱۹ ص ۲۱۳ (سیف)

(۲) الانبیاء: ۷۸-۷۹.

ونبوت) اور علم بخشا تھا۔"

اجتہاد میں خطاء و صواب

مذکورہ بالا آیہ کریمہ میں فہم و ادراک کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مختص کیا، مگر سلطنت و حکومت اور علم و فضل کی بناء پر باپ بیٹا دونوں کی مدح و ستائش فرمائی۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: جب حاکم اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد درست بھی ہو تو اس کو دوگنا اجر ملے گا اور جب اس کا اجتہاد خطا پر مبنی ہو تو اسے ایک اجر ملے گا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

مندرجہ بالا حدیث اس حقیقت کی آئینہ داری کرتی ہے کہ اجتہاد کے غلط ہونے کی صورت میں بھی مجتہد کو ایک اجر ملے گا، اس لے کہ اس نے اپنی استطاعت کی حد تک حق معلوم کرنے کی سعی کی ہے، اس لیے اس کی بھول چوک معافی کی سزاوار ہے اور ظاہر ہے کہ جملہ احکام میں حق و صداقت کو پالینا یا تو دشوار ہے اور یا ناممکن ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ﴾(1)

"اس نے دین کے معاملے میں تم کو تنگی میں مبتلا نہیں کیا۔"

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾(2)

"اللہ تعالیٰ تمھاری سہولت چاہتا ہے اور دشواری نہیں چاہتا۔"

بنو قریظہ کے یہاں نماز عصر پڑھنے کا مسئلہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے دن صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"تم میں سے کوئی شخص بھی عصر کی نماز بنو قریضہ کی آبادی کے سوا کسی دوسری جگہ ادا نہ کرے۔"

راستہ ہی میں نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ بعض صحابہ نے کہا ہم تو حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں نماز بنو قریظہ کے ہاں جا کر ہی ادا کریں گے۔ بعض نے کہا: حضور ﷺ کا

(1) الحج: ۷۸ (2) البقرة: ۱۸۵

یہ مطلب تھا' چنانچہ انھوں نے راستہ ہی میں نماز ادا کر لی۔ جب حضور ﷺ اس ماجرا سے آگاہ ہوئے' تو آپ نے فریقین میں کسی کو بھی غلط نہ ٹھہرایا۔

پہلی قسم کے صحابہ نے یہ سمجھا کہ حضور ﷺ کے الفاظ عام تھے' جن کا منشا صاف یہ تھا کہ نماز بنو قریظہ کے یہاں جا کر ہی ادا کرنی چاہیے' اگرچہ ایسا کرنے میں نماز کا وقت کیوں نہ چلا جائے' مگر اس کے برعکس صحابہ کی دوسری جماعت حضور کے الفاظ کو عموم پر محمول نہیں کرتی تھی' بلکہ آپ کے الفاظ کا معنی و مطلب ان کے نزدیک یہ تھا کہ جلد وہاں پہنچ کر بنو قریظہ کا محاصرہ کر لینا چاہیے۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں فقہاء کے ہاں سخت اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا قیاس کی بنا پر عام میں تخصیص پیدا کی جا سکتی ہے یا نہیں ؟ اس کے باوصف جن صحابہ نے راستہ ہی میں نماز ادا کر لی تھی' ان کا فعل حق و صواب سے قریب تر تھا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کھجور کے دو صاع ایک صاع کے عوض فروخت کر دیے' تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو واپس کرنے کا حکم دیا۔[1] البتہ یہ نہ فرمایا کہ تم نے سود کھایا یا تم فاسق ہو اور اللہ کی لعنت کے سزاوار ہو' اس لیے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس بیع کی حرمت کا علم نہ تھا۔

حضرت عدی بن حاتمؓ کا واقعہ

اس قسم کا معاملہ عدی بن حاتم طائیؓ اور چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیش آیا۔ انھوں نے سمجھا کہ آیہ کریمہ ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾ (البقرۃ: ۱۸۷) میں سیاہ اور سفید دھاگہ مراد ہے' چنانچہ وہ سوتے وقت تکیے کے

---

(۱) حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بلال نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عمدہ قسم کی کھجوریں لائے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کہاں سے لائے ہو؟ کہنے لگے میرے پاس کچھ ناقص کھجوریں تھیں' میں نے ان میں سے دو صاع کھجوریں دے کر ایک صاع عمدہ کھجوریں لے لیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: افسوس! یہ تو بالکل ہی سود کا معاملہ ہوا۔ یوں نہ کیجیے بلکہ جب ایسا کرنا ہو تو عمدہ کھجوریں فروخت کر دیں اور پھر اس کی قیمت سے دوسری کھجوریں خرید لیا کریں۔ (بخاری و مسلم)

نیچے سیاہ اور سفید دو دھاگے رکھ لیتے اور ماہِ رمضان میں سحری کھاتے رہتے، تاوقتیکہ دونوں دھاگوں میں فرق و امتیاز نظر آنے لگتا۔ رسول اکرم ﷺ کو پتہ چلا تو انھوں نے حضرت عدی کو مخاطب کرکے فرمایا:

"اگر سیاہ و سفید کے معنی دھاگے کے ہیں، پھر تو آپ کا تکیہ بڑا کشادہ ہوا (کہ جو پورے افق کو محیط ہے) اس کے یہ معنی نہیں، بلکہ اس سے دن کی سفیدی اور ظلمتِ شب مراد ہے۔"(۱)

مندرجہ بالا حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ اے عدی! تم نے آیت کا مطلب نہیں سمجھا، مگر آپ نے یہ تلقین فرمایا کہ تمھارا روزہ نہیں ہوا یا تم پھر سے روزے رکھو، حالانکہ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک تھا۔

زخمی صحابی کے غسل جنابت کا واقعہ

صحابہ نے ایک زخمی شخص کو شدید ترین سردی کے باوجود غسل جنابت کا فتویٰ دیا، چنانچہ اس نے غسل کیا اور اس کی موت واقع ہو گئی۔ حضورِ اکرم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: وہ اس شخص کے قتل کے موجب ہوئے، اللہ انھیں ہلاک کرے، جب انھیں یہ مسئلہ معلوم نہ تھا تو انھوں نے کسی سے دریافت کیوں نہ کر لیا؟ جہالت کا علاج تو کسی سے پوچھ لینے میں مضمر ہے۔(۲)

---

(۱) صحیح بخاری و مسلم بروایت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ

(۲) امام ابوداؤد سے زبیر بن خریق سے، وہ عطاء سے، وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم سفر پر روانہ ہوئے۔ ہمارا ایک ساتھی سر پر پتھر لگنے سے زخمی ہو گیا اور اسی حالت میں وہ احتلام میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا: کیا میں اس حالت میں تیمم کر سکتا ہوں؟ انھوں نے کہا ہماری دانست میں تو آپ کو تیمم کی اجازت نہیں۔ اس کی سند منقطع ہے۔ (ابوداؤد)

اس حدیث کو دارقطنی نے اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ مزید برآں ابوداؤد نے اسی حدیث کو بروایت اوزاعی از عطاء از ابن عباس بھی روایت کیا ہے اور یہ درست بھی ہے۔ امام حاکم، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس حدیث کو ولید بن عبید بن ابی رباح سے انھوں نے اپنے چچا سے، انھوں نے عطاء سے اور عطاء نے حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ متعدد طرق اور اسانید سے مروی ہونے کی بنا پر اس حدیث کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔

حضرت اسامہؓ کا واقعہ

علی ہذا القیاس رسول اکرم ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما پر نہ تو قصاص کو واجب کیا اور نہ دیت کو نہ آپ نے کفارہ کا حکم بھی نہیں دیا حالانکہ انھوں نے ایک شخص کو لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کے باوجود غزوہ حرقات میں قتل کر دیا تھا (۱)

وعدہ و وعید میں تخلف اور اس کے شرائط

وعید (سزا) دینے کے سلسلے میں ہم نے جس شرط کا تذکرہ کیا ہے اس لیے کہ یہ شرط ہر کس و ناکس کو معلوم ہے اور قلوب و اذہان میں یہ بات راسخ ہو چکی ہے۔ یہ بالکل اسی

(۱) حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں قبیلہ جہینہ کے ایک خاندان حرقہ کی جانب بھیجا۔ چنانچہ ہم نے صبح کے وقت ہی انھیں آلیا اور شکست دے دی۔ حضرت اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے اور میرے ایک انصاری ساتھی نے اس قبیلہ کے ایک شخص کو اپنی گرفت میں لے لیا تو اس نے کلمہ طیبہ پڑھ دیا۔ یہ سن کر انصاری تو پیچھے ہٹ گیا، مگر میں نے اسے نیزہ مار کر ہلاک کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ کو واقعہ کی تفصیلات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا: اسامہ لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر دیا؟ اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، حضور! اس نے تو جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔ حضور ﷺ نے مکرر ارشاد فرمایا کیا کلمہ پڑھنے کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر دیا؟ حضور ﷺ نے کئی مرتبہ یہ کلمات دہرائے۔ حتیٰ کہ حسرت و ندامت سے میں یہ کہہ اٹھا کہ افسوس میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔ (بخاری و مسلم)

مندرجہ بالا حدیث میں الحرقات "قبیلہ جہینہ کی ایک شاخ کا نام ہے۔ یہ لوگ وادی قلہ کے پچھلے رہتے تھے، جو ہو نمرہ کے علاقہ میں واقع ہے۔ یہ غزوہ ہجرت کے ساتویں یا آٹھویں سال وقوع پذیر ہوا۔ اس غزوہ کے سپہ سالار غالب بن عبید اللہ کلبی تھے اور جس شخص کو حضرت اسامہ نے قتل کیا ان کا نام مرداس بن نہیک تھا۔

حضرت اسامہ پر قصاص یا دیت واجب نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس شخص کے قتل کو اس لیے جائز سمجھتے تھے کہ اندریں حالت ان کا مشرف بہ اسلام ہونا درست نہیں، حالانکہ ان کو قتل کر دینے کے لیے کوئی وجہ جواز نہ تھی، بلکہ ان کا قتل اس حالت میں حرام تھا۔

علمائے سلف اور جمہور فقہاء کا طرز عمل بھی یہی رہا کہ جب کسی معقول تاویل کی بنا پر بغاوت کرنے والے کسی عادل اور ثقہ مسلمان کے خون کو مباح خیال کرتے ہوں، تو ان سے قصاص، دیت یا کفارہ کچھ بھی نہیں لیا جائے گا۔ اگرچہ مسلمانوں کی خونریزی دین اسلام میں قطعی طور پر حرام ہے اور اس کا کوئی جواز نہیں۔

طرح ہے جیسے کسی نیک کام کے انجام دینے پر اجر و ثواب کا وعدہ کیا جاتا ہے' لیکن اس کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ نیک کام خالصۃ للہ انجام دیا جائے۔ نیز یہ کہ اسلام سے منحرف ہو کر اس شخص نے اپنے اعمال کو رائیگاں نہ کر لیا ہو۔ مگر ضروری نہیں کہ جس حدیث میں بھی کسی نیک کام پر اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہو' اس میں لازماً اس شرط کا تذکرہ کیا جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ جہاں کہیں بھی کسی کام پر سزا دینے کا ذکر کیا گیا ہو تو بعض اوقات کسی مانع کی بنا پر وہ سزا نہیں دی جاتی اور اس وعید میں تخلف واقع ہو جاتا ہے۔

وعید میں تخلف کے اسباب

مندرجہ ذیل اسباب و وجوہ کی بنا پر مقررہ سزا (وعید) نہیں دی جاتی:

۱۔ جب کوئی شخص تائب ہو جائے۔

۲۔ بارگاہ ربانی سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرے۔

۳۔ اعمال صالحہ انجام دے' جن سے برائیاں مٹ جائیں۔

۴۔ دنیوی آلام و مصائب گناہ کے موجب ہوئے ہوں۔

۵۔ ایسے شفیع کی سفارش' جو بارگاہ ربانی میں مقبول ہو۔ (مثلاً نبی کریم ﷺ)

۶۔ جب رحمت الٰہی شامل ہو۔

جب مندرجہ بالا جملہ اسباب معدوم ہوں' تو اس وقت وعید ثابت ہوتی ہے اور ایسے شخص کو سزا مل جاتی ہے' مگر واضح ہو کہ یہ جملہ اسباب اسی شخص کے حق میں معدوم ہوتے ہیں' جو سرکشی و بغاوت میں حد سے تجاوز کر چکا ہو اور اس کی مثال راہ حق سے فرار اختیار کرنے میں بالکل اسی طرح ہو جیسے کوئی اونٹ گھر والوں سے بھاگ گیا ہو' کسی فعل قبیح کے ارتکاب پر جو وعید (سزا) عائد کی جاتی ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ کام اس سزا کا موجب ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فعل شرعاً حرام اور قبیح ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جو شخص بھی اس فعل کا مرتکب ہو' اسے سزا دینا اسی طرح واجب ہو' جس طرح سبب کے پائے جانے کی صورت میں مسبب کا وقوع ناگزیر ہوتا ہے' تو یہ بات قطعاً درست نہیں۔ اس لیے کہ مسبب کا وقوع شرط کے پائے جانے

کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر شرط موجود نہ ہو گی تو مسبب بھی نہیں پایا جائے گا۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ وعید کا ثبوت اس صورت میں ہوتا ہے' جب موانع میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو' مگر یہاں تو مانع موجود ہے۔

کسی حدیث پر ترک عمل کی تین وجوہ

مندرجہ بالا مسئلہ کی توضیح یہ ہے کہ جو (امام یا عالم) کسی حدیث پر عمل نہیں کرتا' تو یہ تین حال سے خالی نہیں ہے۔

پہلی قسم: کسی حدیث کے مطابق عمل نہ کرنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ ترک عمل باتفاق جمیع اہل اسلام جائز اور درست ہو' مثلاً ایک شخص کسی حدیث پر اس لیے عمل نہیں کرتا کہ وہ حدیث اسے ملی ہی نہیں' حالانکہ اس نے حدیث کی طلب و تلاش میں کسی سہل انگاری سے کام نہیں لیا' جبکہ اس مسئلہ میں اسے شرعی حکم اور فتویٰ کی ضرورت بھی ہے۔ اس کی مثالیں ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ بہت سی احادیث خلفاء راشدین اور دیگر ائمہ کو نہ مل سکیں۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں متعلقہ شخص حدیث پر عمل نہ کرنے کی بنا پر گنہگار نہ ہو گا۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے' جس کو کوئی مسلم شک و شبہ کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔

دوسری قسم: حدیث پر ترک عمل کی دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی شخص بلا وجہ و بلا جواز حدیث پر عمل کرنا ترک کر دے اور یہ ایک ایسی بات ہے' جس کا ارتکاب ائمہ کرام سے ممکن نہیں۔

تیسری قسم: حدیث پر ترک عمل کی تیسری قسم جس کے سرزد ہونے کا علماء سے اندیشہ بھی ہے' یہ ہے کہ کوئی عالم پیش آنے والے مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کرنے میں سہل انگاری کا مرتکب ہو اور معمولی غور و فکر کے بعد اس مسئلہ میں فتویٰ صادر کر دے یا استدلال ہی میں کوتاہی سے کام لے اور انتہائی فہم و ادراک سے کام لیے بغیر اس میں فیصلہ صادر کر دے' حالانکہ وہ کسی دلیل و برہان سے تمسک بھی کر رہا ہو' یا یہ کہ کوئی عادت یا غرض

اس پر اس طرح چھا جائے' جس کی بنا پر وہ اس میں کامل غور و فکر کرنے سے قاصر رہے۔ اور اس امر کو پیش نظر نہ رکھے کہ جو فتویٰ اس نے دیا ہے' اس کے خلاف بھی دلیل موجود ہے' حالانکہ اس نے جو فیصلہ کیا ہے' وہ فقط اجتہاد و استدلال پر مبنی ہے' مگر اجتہاد کا جو نتیجہ رونما ہونا چاہیے' بعض اوقات مجتہد وہاں تک پہنچنے سے قاصر رہتا ہے۔

فتویٰ دینے میں علمائے سلف کی احتیاط

یہی وجہ ہے کہ علمائے سلف ایسے مسائل میں فتویٰ دینے سے احتراز کیا کرتے تھے اور انھیں یہ خطرہ دامن گیر رہتا تھا کہ ممکن ہے کہ اس مسئلہ کی تحقیق و تلاش میں جس قدر محنت و کاوش کی ضرورت ہے' وہ انجام نہ دے سکتے ہوں۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ گناہ کا کام ہے' مگر گناہ کی سزا کسی شخص کو اس وقت دی جاتی ہے' جب وہ اس سے تائب نہ ہو اور ظاہر ہے کہ گناہ استغفار' اعمال صالحہ' آلام و مصائب' شفاعت اور رحمت کی بنا پر معاف بھی ہو جاتا ہے۔

اب اس شخص کا معاملہ باقی رہا جو حرص و ہوا سے مغلوب ہو جائے اور باطل کی حمایت کرنے لگے' حالانکہ وہ جانتا بھی ہو کہ یہ باطل ہے' یا پورے جزم و وثوق کے ساتھ کسی بات کی تائید یا تردید کرے جبکہ مثبت و منفی کوئی دلیل بھی اس کے پاس نہ ہو تو ایسا شخص یقیناً جہنمی ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک جنتی اور دو جہنمی ہیں۔ جنتی تو وہ ہے کہ جو حق کو معلوم کر لے اور اس کے مطابق فیصلہ صادر کرے۔ دوسرا وہ شخص جو حق کو پہچان کر بھی اس سے انحراف کرتا ہے' ایسا شخص جہنمی ہے۔ تیسرا شخص وہ ہے جو جہالت کے باوجود فیصلہ صادر کر دیتا ہے' وہ بھی یقیناً دوزخ میں جائے گا۔ (1)

قاضیوں کی طرح مفتی حضرات بھی اس حدیث کے مصداق ہیں مگر جیسا کہ ہم قبل ازیں اس پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ کسی معین شخص کو شرعی سزا دینے کے لیے کچھ موانع

(1) یہ صحیح حدیث ہے' اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

بھی ہیں۔

بفرض محال اگر ان ائمہ کرام میں سے کسی سے یہ فعل صادر ہو جو ملت اسلامیہ میں اکرام واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں' حالانکہ ان ائمہ سے ایسے فعل کا صادر ہونا بعید از قیاس بلکہ ناممکن ہے' تو مذکورہ بالا اسباب میں سے کوئی سبب وہاں ضرور موجود ہوگا اور ایسے فعل کے صادر ہونے کی بناء پر ان کی عظمت وامامت متأثر نہیں ہوگی۔

ائمہ کا مرتبہ ومقام

اس میں شبہ نہیں کہ ہم ائمہ کرام کی عصمت کے قائل نہیں۔ خلاف ازیں ہمارے نزدیک ان سے گناہوں کا صدور ووقوع ممکن ہے' مگر اس کے باوصف ہمارے نزدیک ان کا مرتبہ ومقام بہت بلند ہے۔ اس لیے کہ وہ اعمال صالحہ اور اپنے خاص حالات کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے مقربین کے زمرہ میں شمار ہوتے تھے۔ کسی گناہ پر انھیں اصرار نہ تھا' مگر اس کے علی الرغم ان کا درجہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بلند تر نہ تھا اور صحابہ کے بارے میں بھی یہی فیصلہ ہے کہ ان سے بناء بر اجتہاد جو فتاویٰ یا قضایا صادر ہوئے اور ان کے مابین جو خونریزیاں بھی ہوئیں ان میں خطاء وصواب دونوں کا یکساں احتمال پایا جاتا ہے۔

یہ بات تسلیم کہ کسی مخصوص حدیث پر عمل نہ کرنے والا شخص معذور تو ہے ہی اس کے ساتھ عند اللہ ماجور بھی ہے' مگر ایسی احادیث کی پیروی سے کیا چیز مانع ہے' جن کا کوئی معارض سرے سے موجود ہی نہ ہو۔ ہم سمجھتے بھی ہوں کہ امت مسلمہ پر ان کی پیروی ضروری ہے۔ صرف پیروی ہی نہیں بلکہ ان کو دوسروں تک پہنچانا بھی اس امت پر فرض ہے۔ یہ ایک ایسی مسلمہ بات ہے جس میں جدل ونزاع کی کوئی گنجائش نہیں۔

احادیث کی اقسام

احادیث نبویہ چند قسموں میں منقسم ہیں:

۱۔ ایک قسم کی وہ احادیث ہیں' جن کے قطعی الدلالت ہونے پر اہل علم متحد و متفق ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ حدیث سند ومتن دونوں کے اعتبار سے قطعی ویقینی ہو۔ اس بات پر کامل یقین ہو کہ یہ حضور کی فرمودہ ہے اور آپ کا منشاء ومقصد اس حدیث سے وہی تھا جو ہم

سمجھتے ہیں۔

۲۔ دوسری قسم کی وہ احادیث ہیں، جن کی دلالت اپنے مفہوم پر ظاہر تو ہے مگر قطعی و حتمی نہیں۔ جہاں تک قسم اول سے متعلق احادیث کا تعلق ہے، وہ واجب العلم والعمل ہیں، یعنی ان کے مندرجات پر یقین کرنا بھی ضروری ہے اور عمل کرنا بھی اور یہ ایک ایسی مسلمہ بات ہے، جس میں علماء کے یہاں کسی اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔

البتہ بعض احادیث کے بارے میں گاہے اس قسم کا اختلاف رونما ہو جاتا ہے کہ ان کی سند قطعی ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ وہ اپنے معنی و مفہوم پر قطعی طور پر دلالت کرتی ہیں یا نہیں؟

مثلاً جس خبر واحد کو امت اسلامیہ نے بالاتفاق قبول کر لیا ہو[1] یا اس پر عمل کرنے کے سلسلے میں سب اہل اسلام متحد الرائے ہوں، اس کے بارے میں علماء کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام فقہاء اور اکثر متکلمین کے نزدیک ایسی حدیث سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے، جبکہ متکلمین کے بعض گروہ ایسی حدیث کو مفید علم قرار نہیں دیتے۔

اسی طرح جو حدیث متعدد طرق و اسانید سے مروی ہو اور وہ طرق ایک دوسرے کے مؤید ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی روایت کرنے والے بھی مخصوص قسم کے لوگ ہوں، تو ایسی حدیث سے ان لوگوں کو یقینی علم حاصل ہوتا ہے، جو ان طرق سے آگاہ ہوں اور ایسی خبر دینے والوں سے ناآشنا نہ ہوں۔ مزید برآں ایسے آثار و قرائن سے باخبر ہوں، جو اس حدیث میں پائے جاتے ہیں۔ خلاف ازیں ایسے لوگوں کو اس حدیث سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، جو ان شرائط سے بہرہ ور نہ ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ بحر حدیث کے شناور محدثین کبار رحمہم اللہ تعالیٰ کو بعض احادیث

---

(۱) خبر واحد کی حجیت کے سلسلہ میں ملاحظہ فرمایئے: الروض الباسم لابی عبداللہ الیمانی ص ٥٤، توضیح الافکار للصنعانی ص ١٢٨، الطرق الحکمیۃ ص ١١١، مختصر الصواعق المرسلۃ ص ٤٧٠، ٥٣٠ نیز ملاحظہ فرمایئے الرسالۃ للامام الشافعی ص ٤٠١-٤١٩ الإحکام لابن حزم ص ٩٧-٩٨، الأحکام للآمدی ٢/ ٣٢، اغاثۃ اللھفان، السنۃ حجیتھا و مکانتھا فی الاسلام والرد علی منکریھا، ڈاکٹر محمد لقمان سلفی ص ١٣٥-١٤٩، مکتبہ الایمان المدینۃ المنورہ (سیف)

کی صحت کا یقینی علم ہوتا تھا جبکہ دیگر علماء ان احادیث کی صحت سے آگاہ نہ تھے۔

حدیث کب مفید علم ہوتی ہے؟

کسی حدیث کے مفید علم ہونے یا نہ ہونے کا مدار و انحصار دراصل چند باتوں پر ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ بعض اوقات ایک واقعہ کی خبر دینے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے' اس لیے مخبرین کی کثرت کی بناء پر اس حدیث سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ بعض اوقات اس واقعہ کی اطلاع دینے والے لوگ نہایت اعلیٰ صفات کے حامل ہوتے ہیں۔

۳۔ بعض دفعہ واقعہ کی اطلاع اس انداز سے دی جاتی ہے کہ سننے والے کو یقین آجاتا ہے۔

۴۔ خبر دینے والا عینی شاہد ہوتا ہے۔

۵۔ نفس واقعہ ہی ایسا ہوتا ہے کہ اسے تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔

بسا اوقات ایک واقعہ کی اطلاع دینے والوں کی تعداد نہایت قلیل ہوتی ہے' مگر ان کی امانت و دیانت اور تقویٰ کی بناء پر ان کی دروغ گوئی یا غلط بیانی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بر خلاف کثیر العدد لوگوں کی دی ہوئی خبر کو در خور اعتناء تصور نہیں کیا جاتا۔

حقیقت یہ ہے کہ حدیث کی جانچ پرکھ کا اصل اور حقیقی معیار و مدار یہی ہے' جمہور محدثین و فقہاء اور متکلمین کے بعض گروہ بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

متکلمین کے بعض گروہ اور فقہاء کی ایک جماعت یہ زاویہ نگاہ رکھتی ہے کہ لوگوں کی ایک خاص تعداد کے ذریعے اگر ایک واقعہ میں یقینی علم حاصل ہوتا ہو تو دوسرے واقعات میں بھی ان کی بات قابل تسلیم خیال کی جائے گی' مگر ان کا یہ خیال قطعاً باطل اور نا قابل تسلیم ہے' مگر اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

جہاں تک ان آثار اور قرائن کا تعلق ہے جو راویوں اور رجال کی ذات سے خارج ہوتے ہیں' کسی حدیث کے قبول یا عدم قبول میں وہ جس حد تک اثر انداز ہوتے ہیں' ہم نے ان کا تذکرہ نہیں کیا' اس لیے کہ یہ آثار و قرائن حدیث و خبر کے علاوہ بذات خود بھی مفید علم

ہوتے ہیں' اس لیے ان کو علی الاطلاق خبر کے تابع نہیں کیا گیا' بالکل اسی طرح جس طرح خبر ان قرائن کے تابع نہیں' بلکہ ان دونوں ذرائع سے علم حاصل ہوتا ہے۔ وہ علم گاہے یقینی اور قطعی ہوتا ہے اور کبھی ظنی۔ بعض اوقات یہ دونوں مل کر یقینی علم کے حصول کا موجب بنتے ہیں۔ گاہے ایک کے ذریعے قطعی علم حاصل ہوتا ہے اور دوسرے کے ذریعے ظنی۔

خلاصہ یہ کہ جو شخص احادیث نبویہ سے بخوبی آگاہ و آشنا ہے گاہے بعض احادیث کی صحت و صداقت کا حتمی فیصلہ صادر کرتا ہے' مگر جو شخص اس درجے کا نقاد و صراف نہیں' وہ ان کی صحت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

بعض اوقات علماء کے مابین اس امر میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے کہ آیا یہ حدیث قطعی الدلالت ہے یا نہیں؟ اس نزاع کی اساس یہ امر ہے کہ آیا یہ حدیث نص کی قسم میں شامل ہے یا ظاہر میں [1] اور اگر ظاہر ہے تو اس سے مرجوح کے احتمال کی نفی ہوتی ہے یا نہیں؟ اس کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔

علماء کی ایک جماعت بعض احادیث کو قطعی الدلالت قرار دیتی ہے' جبکہ دوسری جماعت ایسا خیال نہیں کرتی۔ ان احادیث کو قطعی الدلالت یا تو اس لیے قرار دیا جاتا ہے کہ ان علماء کے نزدیک حدیث میں صرف اسی معنی و مفہوم کی گنجائش ہے اور یا اس لیے کہ حدیث کو دوسرے معنی پہنائے ہی نہیں جا سکتے یا دیگر دلائل و براہین کی روشنی میں' جو حدیث کو قطعی الدلالت قرار دیتے ہیں۔

حدیث کی دوسری قسم جس کو "ظاہر" کہا جاتا ہے۔ معتبر علماء کے نزدیک شرعی احکام میں واجب العمل ہے۔ اگر یہ حدیث کسی عملی حکم مثلاً وعید پر مشتمل ہو تو اس میں علماء کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک خبر واحد کا راوی جب ثقہ اور عادل ہو اور اس میں کسی فعل کے ارتکاب پر سزا کی وعید دی گئی ہو تو اس فعل کی حرمت کے بارے میں اس حدیث پر عمل واجب ہوگا اور وعید پر عمل اسی صورت میں کیا جائے گا' جب حدیث قطعی الدلالت ہو۔ اگر حدیث کا متن قطعی اور دلالت ظاہر ہو' تب بھی یہی حکم ہے۔

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: مختصر الصواعق المرسلۃ' ابن قیم ص ۵۲۳ (سیف)

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ابو اسحاق سبیعی کی بیوی کو جو الفاظ کہے تھے' علماء نے ان کو اسی پر محمول کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

"زید بن ارقم کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ اس نے رسول اکرم ﷺ کی رفاقت میں جو جہاد کیا تھا' اس کو برباد کر دیا الا یہ کہ وہ بارگاہ ربانی میں توبہ کرے۔"(۱)

علماء کا قول ہے کہ حضرت عائشہ نے زید بن ارقم کے بطلان جہاد کا ذکر اس لیے

(۱) محدث دار قطنی نے یونس سے انھوں نے اپنی والدہ ام العالیہ بنت انفع سے روایت کیا ہے کہ میں (ام العالیہ) اور ام محبہ سفر حج پر روانہ ہوئیں۔ اسی دوران حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سلام کہا۔ فرمایا تم کون ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم اہل کوفہ میں سے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے اعراض فرمایا۔ ام محبہ نے عرض کیا۔ ام المؤمنین میری ایک لونڈی تھی' میں نے اسے زید بن ارقم انصاری کے پاس آٹھ سو درہم کے عوض فروخت کر دیا اور کہا تنخواہ ملنے پر رقم ادا کر دیں۔ زید نے لونڈی کو فروخت کرنا چاہا' میں نے چھ سو درہم نقد دے کر ان سے لونڈی خرید لی۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ تمھاری خرید و فروخت بری ہے۔ زید بن ارقم کو بتا دو کہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ جو جہاد کیا تھا' اس کا ثواب ضائع ہو گیا۔ بجز اس صورت کے کہ وہ صدق دل سے توبہ کر لیں۔ (دارقطنی ص ۳۱۰)

مولانا شمس الحق عظیم آبادی سنن دارقطنی کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو محدث بیہقی اور عبدالرزاق نے بھی روایت کیا ہے۔ ام محبہ بضم المیم و کسر الحاء ہے۔ دارقطنی نے اپنی کتاب "المؤتلف والمختلف" میں اس کو اسی طرح ضبط کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ خاتون حضرت عائشہ سے حدیثیں روایت کرتی ہیں۔ اس حدیث کو ابو اسحاق سبیعی نے اپنی بیوی ام العالیہ سے روایت کیا ہے۔ نیز یونس بن اسحاق نے اس حدیث کو ام العالیہ بنت انفع سے' اس نے ام محبہ سے اور اس نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ام محبہ اور عالیہ دونوں مجہول (غیر معروف) راویہ ہیں اور ان کی روایت کردہ حدیث قابل استدلال نہیں۔ امام احمد نے اس کو مسند میں بھی روایت کیا ہے۔ صاحب التنقیح کہتے ہیں کہ مسند کی سند جید ہے۔ تاہم امام شافعی حضرت عائشہ سے ذکر کردہ اس روایت کو قبول نہیں کرتے۔ اسی طرح دار قطنی کہتے ہیں کہ عالیہ مجہول اور ناقابل استدلال ہے۔ مگر یہ نقد و جرح محل نظر ہے' کیونکہ دوسرے محدثین نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر حضرت عائشہ کے پاس کوئی صحیح حدیث نہ ہوتی تو ایسا کبھی نہ فرماتیں۔ محدث ابن الجوزی فرماتے ہیں العالیہ مجہول اور ناقابل استدلال ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ عالیہ معروف اور جلیل القدر خاتون ہیں۔ ابن سعد نے طبقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں: العالیہ بنت انفع' ابو اسحاق سبیعی کی بیوی ہے اور اس کا سماع حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے۔

کیا کہ اس کے بارے میں وہ بخوبی آگاہ تھیں' چنانچہ ہم اس قسم کی بیع کی حرمت کے سلسلے میں حضرت عائشہ کی حدیث پر عمل کریں گے۔ اگرچہ ہم اس وعید کے قائل نہیں کہ زید بن ارقم کا جہاد ضائع ہو گیا' اس لیے کہ اس حدیث کی حیثیت خبر واحد کی ہے۔ ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ وعید کا تعلق قطعی اور حتمی امور کے ساتھ ہوتا ہے' اس لیے اس کا اثبات بھی کسی قطعی دلیل کے ساتھ ہو گا' جس سے یقینی علم حاصل ہوتا ہو' مزید برآں جب کسی فعل کا حکم مبنی بر اجتہاد ہو تو اس کا ارتکاب کرنے والے کو سزا کا مستحق قرار نہیں دیا جائے گا۔

مذکورہ بالا علماء کی رائے میں وعید پر مشتمل احادیث سے کسی فعل کی حرمت پر تو استدلال کیا جا سکتا ہے مگر ان کی بناء پر ان افعال کے مرتکب کو سزا نہیں دی جا سکتی۔ الا یہ کہ وہ حدیث قطعی الدلالت ہو۔

مصحف عثمان میں غیر موجود قرأتوں سے استدلال

اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ بہت سے علماء نے ان غیر مشہور قرأتوں سے استدلال کیا ہے' جو بعض صحابہؓ سے تو منقول ہیں مگر مصحف عثمان میں موجود نہیں' حالانکہ وہ قرأتیں علم و عمل کی حامل ہیں اور ان کو صحیح کے درجہ کی خبر واحد بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ علماء نے اگر کسی عمل کے اثبات میں ان سے استدلال کیا ہے' تو ان کو قرآن کا ایک جزو تصور نہیں کیا' اس لیے قرآن کا جزو قرار دینے کے لیے کسی یقینی دلیل و برہان کی ضرورت ہے۔

احادیث سے وعید کا اثبات

اس کے عین برعکس علمائے سلف اور اکثر فقہاء کا موقف یہ ہے کہ ان احادیث میں جس وعید کا ذکر کیا گیا ہے' وہ ثابت اور درست ہے' اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ ان احادیث کے ساتھ وعید اور عمل دونوں کا اثبات کرتے رہے اور جو شخص اس فعل کا مرتکب ہوتا' اس کو عملی طور پر اس حدیث میں مذکور سزا دیتے اور صراحۃً اس کا اعتراف کرتے اور یہ بات صحابہ و تابعین سے منقول احادیث و فتاویٰ سے بالکل عیاں ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وعید بھی شرعی احکام ہی کی ایک قسم کا نام ہے اور شرعی احکام

کا اثبات ظاہری اور قطعی دونوں قسم کے دلائل سے ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ وعید کے سلسلے میں یقین کامل مطلوب نہیں ہوتا' بلکہ جزوی یقین یا ظن غالب کی ضرورت ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح عملی احکام میں صرف ظن غالب کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک شخص اگر یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں چیز کو حرام ٹھہرایا اور اس کے مرتکب کو مجمل سزا کی وعید سنائی ہے یا یہ سمجھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں چیز کو حرام قرار دیا اور اس کے لیے فلاں سزا متعین کی ہے' تو دونوں قسم کی سزا (متعین وغیر متعین) من جانب اللہ ہے اور اس کی خبر دینے والے نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے خبر دی ہے (اپنی طرف سے نہیں) اور جس طرح پہلی بات محض دلیل کی بناء پر کہی جا سکتی ہے' اسی طرح دوسری بات بھی دلیل کی بناء پر بیان کی جا سکتی ہے' بلکہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ وعید پر مشتمل احادیث پر عمل کرنا صحیح تر ہے تو اس کی بات اقرب الی الصواب ہو گی۔

اگر حدیث میں مذکور وعید درست ہوئی تو انسان اس فعل قبیح کو ترک کے اس وعید سے نجات حاصل کر لے گا اور اگر وعید مذکور درست نہیں' بلکہ اس فعل کی سزا ذکر کردہ وعید سے کم ہے تو بھی اس سے انسان کو کوئی نقصان لاحق نہ ہو گا' بشرطیکہ وہ اس برے کام کو ترک کر دے۔ غرض یہ کہ اگر کوئی شخص غلطی سے کسی فعل کی اصل سزا سے کم کا عقیدہ رکھتا ہو تو بھی اس سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا' اس لیے کہ اصلی سزا سے کم کا عقیدہ رکھنے کی بناء پر وہ اس فعل کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اگر زائد سزا کے بارے میں نفیاً یا اثباتاً کوئی بھی عقیدہ نہ رکھتا ہو' تب بھی اس سے غلطی کا صدور ہو سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ سزا کے بارے میں غلط تصور قائم کرنے کا نتیجہ اس صورت میں ظہور پذیر ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اس کام کو معمولی سمجھ کر اس کا ارتکاب کر بیٹھے اور اس کی بناء پر اس کو اس کے تصور سے زیادہ سزا ملے' بشرطیکہ سزا کا اس کے تصور سے زیادہ ہونا ثابت ہو جائے' بہر کیف سزا سے متعلق غلط عقیدہ دونوں صورتوں میں ضرر رساں ہے۔ ایک صورت تو سزا پر اعتقاد رکھنے کی ہے اور دوسرے نہ رکھنے کی مگر وعید پر اعتقاد رکھنے کی صورت میں عذاب سے نجات زیادہ قرین عقل و قیاس ہے' اس لیے کہ یہی صورت اعلیٰ

واولی ہے۔

حرمت کی دلیل زیادہ راجح ہے

مذکورہ بالا بیان ہی کی بناء پر اکثر علماء کسی چیز کو حرام قرار دینے والی دلیل کو اس دلیل کے مقابلے میں ترجیح دیتے ہیں' جس سے اس چیز کی حلت ثابت ہوتی ہو اور اسی دلیل کی روشنی میں اکثر فقہاء کرام نے شرعی احکام کے سلسلے میں حزم واحتیاط سے کام لیا ہے۔

جہاں تک کسی فعل کے انجام دینے کے سلسلے میں احتیاط کا تعلق ہے' عقلائے عالم اس کے احسن وافضل ہونے میں یک رنگ وہم آہنگ ہیں۔ اگر کسی شخص کے ذہن میں اس قسم کی کشمکش پائی جاتی ہو کہ آیا یہ وعید درست بھی ہے یا نہیں' تو اثبات کے پہلو کو نفی کے مقابلے میں ترجیح دی جائے گی اور اسی میں اس کی نجات مضمر ہے۔

ایک معترض یہ نہیں کہہ سکتا کہ وعید کے اثبات کے لیے کسی قطعی دلیل کا فقدان اس امر کی دلیل ہے کہ وہ وعید ثابت نہیں' جس طرح قرآن کریم کی اصل سے زائد قراأتوں کو ثابت کرنے کے لیے کسی متواتر حدیث کا نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ قرأت درست نہیں۔ معترض کا یہ استدلال اس لیے غلط ہے کہ کسی مسئلہ کے اثبات کے لیے دلیل کا عدم وجود اس امر کی دلیل نہیں کہ وہ مسئلہ اور مدلول سرے سے ثابت ہی نہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ جو شخص علمی امور میں سے اس بناء پر کسی بات کی قطعی تردید کرتا ہے کہ اس کے اثبات کے لیے کوئی قاطع دلیل وبرہان موجود نہیں' وہ غلط کار ہے اور اس کی غلطی کسی دلیل کی محتاج نہیں' چنانچہ متکلمین کا ایک گروہ اسی مسلک پر گامزن ہے۔

لیکن جب ہم اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ کسی چیز کا وجود اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کی دلیل لازماً موجود ہو گی اور ہمیں اس بات کا بھی علم ہے کہ دلیل مفقود ہے' تو اس سے ہمیں حتمی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ چیز سرے سے موجود ہی نہیں' اس لیے کہ لازم کا عدم وجود ملزوم کے نہ ہونے کی دلیل ہے۔

ہم اس حقیقت سے بھی کلیۃً آگاہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی کتاب کی نشرواشاعت کے اسباب ومحرکات بے شمار ہیں' اس لیے کہ ملت اسلامیہ کے لیے ان شرعی

امور کو چھپانا اور پردہ اخفاء میں رکھنا جائز نہیں' جوامت مسلمہ کو ایک حجت عامہ کے لحاظ سے مطلوب ہیں' اس کی مثال یہ ہے کہ دین اسلام میں جب چھٹی نماز کا ذکر عام طور سے نہیں کیا گیا۔ اسی طرح قرآن عزیز جن سورتوں پر مشتمل ہے' ان سورتوں کے علاوہ دیگر کسی سورہ کا تذکرہ منقول نہیں' تو اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ اسلام میں نہ تو چھٹی فرض نماز کا وجود ہے اور نہ قرآنی سورتوں کے علاوہ کسی دوسری سورہ کا۔

مگر وعید کا معاملہ اس سے مختلف ہے' اس لیے کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر وعید تواتر کے ساتھ منقول ہو کر ہم تک پہنچے۔ اس لیے کہ جب اس فعل کا متواتر صورت میں نقل ہونا ضروری نہیں' جس پر وہ وعید سنائی گئی ہے' تو وعید کا متواتر ہونا کیونکر واجب ٹھہرا۔

مندرجہ بالا بیانات اس حقیقت کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ وعید پر مشتمل احادیث بایں طور واجب العمل ہیں کہ فلاں کام کرنے والے کو یہ وعید سنائی گئی ہے' مگر یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ وعید کے نافذ کرنے کے لیے چند شروط و موانع بھی ہیں۔ اس کی توضیح مندرجہ ذیل نظائر و امثلہ سے ہوتی ہے:

شرعی سزا نافذ کرنے کے شرائط و موانع

۱۔ سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث صحیح میں فرمایا: "اللہ تعالیٰ سود کھانے والے' کھلانے والے' سود کی دستاویز لکھنے والے اور اس کی شہادت دینے والے پر لعنت کرے" (۱)

۲۔ متعدد سندوں سے روایت کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کو مخاطب کرکے فرمایا جس نے ایک صاع غلہ دو صاع کے عوض دست بدست فروخت کر دیا یہ "تو بالکل سود ہے" آپ نے یہ بھی فرمایا: "گندم کے عوض گندم کی خرید و فروخت بجز دست بدست بیع کے بالکل سود ہے۔" (۲)

(۱) اس حدیث کو امام بخاری' مسلم' احمد ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے۔ صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "یہ سب لوگ برابر ہیں۔" (سیف)

(۲) صحیح بخاری و مسلم بروایت حضرت عمرؓ۔

۳۔ مندرجہ بالا احادیث میں ربا کی دونوں قسموں یعنی ربا الفضل [1] اور ربا النسیئۃ [2] کا ذکر کیا گیا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں کچھ بزرگ ایسے بھی تھے، جن کو حضور اکرم ﷺ کی یہ حدیث پہنچی "ربا تو صرف ادھار میں ہے" [3]

اس کے نتیجے میں انھوں نے ایک صاع غلہ کی بیع دو صاع کے عوض (جب کہ دست بدست ہو) کو حلال ٹھہرایا۔ اس بیع کو حلال قرار دینے والوں میں حضرت عبداللہ بن عباس اور ان کے اصحاب ورفقاء ابوالشعثاء [4] عطاء [5] طاؤس [6] سعید بن جبیر [7] عکرمہ [8]

(۱) ربا الفضل کا مطلب یہ ہے کہ جب دو چیزیں ہم جنس ہوں مثلاً گندم کے عوض گندم کی بیع تو اس صورت میں کمی بیشی کی ممانعت ہے اور اگر دونوں کی کیفیت اور درجہ میں فرق ہو تو ایک فروخت کر کے اچھی قسم کی چیز خرید لی جائے، مگر اس بات کی اجازت نہیں کہ کیفیت میں تفاوت کی بنا پر گھٹیا چیز زیادہ مقدار میں دے کر عمدہ قسم کی چیز کم مقدار میں حاصل کی جائے۔

(۲) ربا النسیئۃ سے مراد وہ زائد چیز ہے، قرض دینے والا مقروض سے مدت کے عوض، جس کے وصول کرنے کے شرط عائد کرتا ہے، یہ زائد وصول کرنا کتاب وسنت اور اجماع امت کی رو سے حرام ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے زادالمعاد: ج ۵ فقہ السنۃ، باب الرباج ۳ ص ۱۳۵ (سیف)

(۳) مسند احمد، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

(۴) ابوالشعثاء کا نام جابر بن زید ازدی بصری ہے، انھوں نے ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، حکم بن عمرو غفاری، معاویہ بن ابی سفیان اور عکرمہ وغیرہ سے روایت لی ہے اور ان سے روایت کرنے والوں میں قتادہ، عمر بن دینار، یعلی بن مسلم اور ایوب سختیانی کے علاوہ ایک جماعت ہے۔ ابن معین اور ابوزرعہ نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ امام بخاریؒ نے ان کا سن وفات ۹۳ھ، ابن سعد نے ۱۰۳ اور ہیثم بن عدی نے ۱۰۴ھ قرار دیا ہے۔ تاریخ بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عمر نے ان سے کہا کہ جابر تم بصرہ کے فقہاء میں سے ہو، ابن حبان نے انھیں ثقات میں شمار کیا اور فقیہ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۶۱ (سیف)

(۵) عطاء بن ابی رباح تابعی ثقہ اور حدیث کے جلیل القدر عالم تھے، دو سو صحابہ کرام سے ان کی ملاقات ہوئی، ابن عمرؓ مکہ میں آئے تو لوگوں نے ان سے سوالات پوچھنا شروع کیے، تو انھوں نے فرمایا تم مجھ سے

اور مکہ کے دیگر اکابر صحابہ و تابعین شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ علم و عمل کے اعتبار سے مکہ کے چیدہ و برگزیدہ علماء کے زمرہ میں شمار ہوتے تھے۔

بنابریں کوئی مسلم یہ بات کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا کہ مذکورہ بالا اصحاب اور ان کے اتباع و معتقدین میں سے کوئی بھی اس حدیث کا مصداق ہے، جس میں سود کھانے والے کو ملعون ٹھہرایا گیا ہے، اس لیے کہ انھوں نے مذکورہ بالا فتویٰ ایک جائز اور درست تأویل کی بنا پر دیا تھا۔

۳۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ مدینہ کے بعض علماء سے بیوی کی دبر میں مجامعت کا جواز

(بقیہ حواشی گزشتہ صفحہ) سوالات پوچھتے ہو حالانکہ تم میں ابن ابی رباح موجود ہیں۔ حالات کے لیے دیکھیے: تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۹۸، تہذیب التہذیب ۷/ ۱۹۹، حلیۃ الاولیاء ۳/ ۳۱۰، خلاصہ تہذیب الکمال ۲۲۵، شذرات الذھب ۱/ ۱۴۷، طبقات ابن سعد ۵/ ۳۴۶، طبقات الشیرازی ۶۹، طبقات القرأ لابن الجزری ۱/ ۵۱۳، العبر ۱/ ۱۴۱، میزان الاعتدال ۳/ ۷۰، النجوم الزاھرۃ ۱/ ۲۷۳، نکت الھمیان ۱۹۹، وفیات الاعیان ۱/ ۳۱۸ (سیف)

(۶) طاؤس بن کیسان یمانی کی پچاس صحابہ سے ملاقات ہوئی۔ حالات کے لیے دیکھیے: تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۹۰، تہذیب الاسماء ۱/ ۲۵۱، تہذیب التہذیب ۵/ ۸، حلیۃ الاولیاء ۴/ ۳، خلاصۃ تہذیب الکمال ۱۵۳، شذرات ۱/ ۱۳۳ و دیگر کتب (سیف)

(۷) سعید بن جبیرؒ کو حجاج بن یوسف نے شعبان ۹۲ھ میں شہید کر دیا تھا جب کہ آپ نے عمر شریف کی ابھی صرف انچاس بہاریں دیکھی تھیں۔ حالات کے لیے دیکھیے: تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۷۶، تہذیب التہذیب ۴/ ۱۱، شذرات ۱/ ۱۰۸، طبقات ابن سعد ۱/ ۳۰۵، خلاصۃ تہذیب الکمال ۱۱۶، وفیات الاعیان ۱/ ۲۰۴ و دیگر کتب رجال۔

(۸) عکرمہ مولی ابن عباس اہل مغرب کے بربر میں سے تھے۔ حالات کے لیے دیکھیے: ارشاد الاریب ۵/ ۶۲، تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۹۵، تہذیب الاسماء ۱/ ۳۴۰، تہذیب التہذیب ۷/ ۲۶۳، خلاصۃ ۲۲۹، شذرات ۱/ ۱۳۰، طبقات ابن سعد ۵/ ۲۱۱، طبقات الشیرازی ۷۰ و دیگر (سیف)

منقول ہے' حالانکہ سنن ابو داؤد میں مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنی بیوی کی دبر میں مجامعت کا ارتکاب کیا' اس نے میری رسالت سے انکار کیا۔(۱)

۴۔ سرور کائنات ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے شراب کے سلسلے میں دس آدمیوں پر لعنت فرمائی' اس میں شراب نچوڑنے والا' نچڑوانے والا اور اس کو پینے والا سب شامل ہیں(۲) (آخر تک)

اسی طرح متعدد سندوں سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "جس شراب سے نشہ کی کیفیت پیدا ہو وہ خمر (شراب) ہے"

حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا: "ہر نشہ آور چیز خمر ہے"(۳)

حضرت عمرؓ نے مہاجرین وانصار کی موجودگی میں منبر رسول پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: "خمر ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے" (۳)

ان دنوں شراب کی حرمت نازل ہوئی۔ حرمت کی آیت کا سبب نزول یہ تھا (۴) کہ ان دنوں مدینہ منورہ میں شراب نوشی کا عام رواج تھا۔ اہل مدینہ کھجوروں سے شراب

---

(۱) مسند احمد' ابو داؤد' ترمذی اور ابن ماجہ' اس کی سند صحیح ہے۔

(۲) امام احمد نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے "جبرائیل امین میرے پاس آئے اور کہا اے محمد ﷺ! اللہ تعالیٰ نے شراب پر اس کے نچوڑنے والے اور نچڑوانے والے پر اور اس کے پینے والے پر' اس کے اٹھانے والے اور جس کی جانب اٹھا کر لائی جائے' اس کے فروخت کرنے والے اور خریدنے والے پر' اس کے پینے اور پلانے والے سبھی پر لعنت فرمائی ہے۔

ابو داؤد اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو ابن عمر سے روایت کیا ہے۔ نیز ابن ماجہ اور ترمذی نے اس حدیث کو حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے۔ احمد شاکر نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ محدث منذری کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔

(۳) اس حدیث کو امام بخاری' مسلم' ابو داؤد' ترمذی اور نسائی نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: "ہر قسم کی شراب (خمر) حرام ہے"

(۴) ملاحظہ فرمایئے تفسیر ابن کثیر سورۃ المائدہ آیت ۹۰

بناتے تھے' انگوروں سے شراب بنانے کا رواج وہاں نہیں تھا۔

علاوہ ازیں کوفہ کے بعض فضلاء یہ زاویہ نگاہ رکھتے تھے کہ خمر صرف انگوری شراب کو کہتے ہیں۔ نیز یہ کہ انگور اور کھجور کے بغیر جو اشیاء ہیں' ان سے تیار کردہ مشروب اسی صورت میں حرام ہے' جبکہ اس کی مقدار اتنی ہو جس سے نشہ کی کیفیت طاری ہو سکے۔

مذکورہ بالا فضلاء صرف اس کی حلت کے قائل ہی نہیں بلکہ اس کو پیا بھی کرتے تھے۔ (۱)

جب صورت حال یہ ہے' تو ان اکابر کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مذکورہ بالا حدیث کے مصداق ہیں' جس میں شراب پینے والے کو ملعون ٹھہرایا گیا ہے۔ اس لیے کہ ان کے یہاں یہ عذر موجود ہے کہ انھوں نے اس حدیث کی تاویل کی ہے' علاوہ ازیں دیگر موانع بھی موجود ہیں۔

اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جو شراب ان کے نزدیک حلال تھی' وہ اس شراب میں شمار نہیں ہوتی' جس کے پینے والے کو ملعون قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ شراب کے لیے جو عام لفظ مستعمل تھا' وہ اس میں لازماً شامل ہے اور ظاہر ہے کہ مدینہ میں انگوروں سے شراب نہیں بنائی جاتی تھی۔

مزید برآں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب فروخت کرنے والے کو ملعون قرار دیا (۲) اس کے باوجود بعض صحابہ شراب فروشی کا کاروبار کرتے تھے۔

جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو فرمایا: اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو ہلاک کرے کیا اسے معلوم نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے' ان پر چربی کو حرام ٹھہرایا گیا تھا' وہ چربی کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھاتے رہے۔ (۳)

---

(۱) مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ ج ۴ ص ۲۵۴ مسئلہ نمبر ۷۳۴۔ (سیف)

(۲) مسند احمد بروایت ابن عمر' ابوداؤد' ابن ماجہ بروایت وکیع۔ (سیف)

(۳) صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کو پتہ چلا کہ فلاں شخص شراب فروخت کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ اس شخص کو تباہ کرے کیا اسے معلوم نہیں کہ نبی

شراب فروش صحابی کو معلوم نہ تھا کہ یہ فعل ممنوع ہے۔ اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے اس صحابی کو یہ نہیں بتایا کہ اس ممنوع فعل کی سزا کیا ہے' حالانکہ اگر آپ ایسا کرتے تو جن لوگوں کو بھی اس کی اطلاع ملتی' وہ اس فعل شنیع سے باز رہتے اور خود وہ صحابی بھی اس کا علم حاصل ہونے کے بعد اس فعل کا ارتکاب نہ کرتے۔

۶۔ نبی اکرم ﷺ نے شراب نچوڑنے والے اور نچڑوانے والے دونوں کو ملعون ٹھہرایا۔ اس کے باوجود بکثرت فقہاء اس بات کو جائز تصور کرتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کو انگور نچوڑ کر دے جبکہ اسے علم بھی ہو کہ وہ اس کے شیرہ سے شراب تیار کرے گا۔(۱)

ظاہر ہے کہ یہ حدیث شراب نچوڑنے والے کو ملعون ٹھہرانے کے بارے میں ایک نص کا حکم رکھتی ہے' تاہم اس کے مرتکب کو ایک مانع کی بناء پر ملعون قرار نہیں دیا گیا۔

۷۔ علی ہذا القیاس متعدد احادیث صحیحہ میں اپنے بالوں کے ساتھ جوڑنے والی اور جڑوانے والی دونوں عورتوں کو ملعون کہا گیا ہے۔(۲) مگر اس کے باوجود بعض فقہاء کے نزدیک یہ فعل صرف مکروہ کا درجہ رکھتا ہے۔

۸۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے' وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ انڈیلتا ہے۔(۳) مگر اس کے باوجود بعض فقہاء اس کو صرف مکروہ تنزیہی قرار دیتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہودیوں کو برباد کرے' جب ان پر چربی کو حرام ٹھہرایا گیا' تو انھوں نے اسے پگھلا کر فروخت کرنا شروع کر دیا۔

صحیح بخاری و مسلم میں ایک روایت حضرت ابوہریرہ و جابر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں: یہود نے چربی کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھالی۔

(۱) ملاحظہ فرمایئے: مجموع الفتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ باب الشرب وحد الشرب (سیف)

(۲) بخاری و مسلم از اسماء و ابن عمر (سیف)

(۳) صحیح بخاری و مسلم میں اس حدیث کو حضرت ام سلمہؓ سے روایت کیا گیا ہے۔

۹۔ ایک اور حدیث میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: جب دو مسلم تلوار لے کر ایک دوسرے کے سامنے آئیں، تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔(۱)

مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا باہم بلاوجہ لڑنا حرام ہے اور حرمت قتال کے سلسلہ میں اس حدیث کے مطابق عمل کرنا واجب ہے، مگر اس کے باوصف ہمیں معلوم ہے کہ جنگ جمل و صفین میں حصہ لینے والے جہنمی نہیں ہیں(۲) اس لیے کہ انھوں نے عذر و تاویل کی بنا پر اس قتال میں حصہ لیا تھا۔ مزید برآں ان دونوں لڑائیوں میں جن اصحاب نے حصہ لیا تھا، وہ بہت سے اعمال صالحہ انجام دے چکے تھے، جو ان کے جہنمی ہونے میں مانع ہیں۔

۱۰۔ سالار رسل ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین شخص ہیں جن کے ساتھ اللہ روز قیامت نہ تو بات کرے گا، نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب مقدر ہو چکا ہے۔ وہ تین اشخاص یہ ہیں:

الف: وہ شخص جس کے پاس ضرورت سے زائد پانی موجود ہو مگر وہ اسے مسافر کو نہ دے۔ روز قیامت اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے، میں آج تمھیں اپنے فضل و کرم سے محروم رکھوں گا، جس طرح تو نے لوگوں کو اس فالتو چیز سے محروم رکھا جسے تیرے ہاتھوں نے نہیں بنایا تھا۔

ب۔ دوسرا وہ شخص جو کسی خلیفہ کی بیعت کسی ذاتی غرض کے لیے کرتا ہے۔ اگر خلیفہ اسے کچھ دے دیتا ہے، تو وہ راضی ہو جاتا ہے اور اگر کچھ نہیں دیتا تو ناراض ہو جاتا ہے۔

ج۔ تیسرا وہ شخص جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھا کر کہے کہ اس چیز کی مجھے اتنی قیمت مل رہی ہے، حالانکہ اتنی قیمت اسے مل نہ رہی ہو۔(۳)

ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا حدیث میں زائد پانی نہ دینے والے کو شدید قسم کی وعید سنائی گئی ہے، مگر علماء کی ایک جماعت کے نزدیک زائد پانی کسی کو نہ دینے میں کوئی حرج نہیں،

---

(۱) امام بخاری و مسلم نے اس حدیث کو ابو بکرہ نفیع بن حارث ثقفیؓ سے روایت کیا ہے۔

(۲) مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ (سیف)

(۳) اس حدیث کو امام احمد، بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ذر سے روایت کیا ہے۔

تاہم علماء کے اس نظریہ کے باوصف ہم مذکورہ بالا حدیث کی بنا پر یہ بات ضرور کہیں گے کہ زائد پانی کو روکے رکھنا دینِ اسلام میں ممنوع ہے' مگر اس کے ساتھ ساتھ ہم اس کے بھی قائل ہیں کہ اس حدیث کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا کا مستحق اس لیے نہیں سمجھا جائے گا کہ وہ اس حدیث کی تاویل کرنے کی بنا پر معذور ہے۔

۱۱۔ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے' جو دوسرے شخص کے لیے حلال کرنے کی نیت سے کسی عورت کے ساتھ نکاح کرے اور اللہ تعالیٰ اس شخص پر بھی لعنت کرے جس کے لیے اس عورت کو (نکاح حلالہ کرکے) حلال کیا گیا ہو۔[1]

یہ حدیث کئی ایک صحیح سندوں سے مروی ہے اور اس ضمن میں صحابہ کے اقوال بھی منقول ہیں' مگر اس کے باوجود علماء کا ایک گروہ نکاح حلالہ کو مطلقاً جائز قرار دیتا ہے۔[2]

علماء کا دوسرا گروہ نکاح حلالہ کو اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیتا ہے کہ عقد نکاح کے وقت یہ شرط نہ لگائی گئی ہو کہ یہ نکاح دوسرے شخص کے لیے عورت کو حلال ٹھہرانے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ اس زاویہ نگاہ کے حامل حضرات نے اس کے جواز کے کئی اسباب ذکر کیے ہیں۔

جن حضرات نے نکاح حلالہ کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کسی شرط کی بنا پر باطل قرار نہیں پاتا۔ بعینہ اس طرح جس طرح خرید و فروخت کے معاملہ میں فروخت کی جانے والی چیز یا اس کی قیمت میں سے کوئی چیز معلوم نہ ہو تو عقد بیع باطل نہیں ٹھہرتا۔ دوسرے علماء جن کا موقف یہ ہے کہ اگر عقد نکاح کے وقت حلالہ کی شرط نہ لگائی جائے تو نکاح درست ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جن عقود میں کسی شرط کا ذکر متصلاً نہ کیا جائے' ان میں عقود کے احکام باقی رہتے ہیں اور ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔

---

(۱) اس حدیث کو امام احمد' نسائی اور ترمذی نے بروایت عبداللہ بن مسعود نقل کیا اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ابن ماجہ نے اس کو حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت کیا ہے۔

(۲) نکاح حلالہ کس قدر حرام' موجب لعنت اور کبیرہ گناہ ہے اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: اقامۃ الدلیل علی ابطال التحلیل در مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۵ ص ۴ نیز ملاحظہ فرمائیے ایک مجلس کی تین طلاقیں شائع کردہ جمعیت اہل حدیث لاہور' فقہ السنہ سید سابق ج ۲ ص ۲۶۹۔ ۲۷۱ (سیف)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا قول کے قائل کو حلالہ کی حرمت سے متعلق حدیث نہیں پہنچی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کی قدیم کتب میں یہ حدیث مذکور نہیں اور اگر یہ حدیث ان کو مل جاتی تو لازماً اپنی تصانیف میں اس کا تذکرہ کرتے اور اس کے ساتھ استدلال بھی کرتے یا کم از کم اس کا جواب ہی دیتے۔ اس امر کا بھی احتمال ہے کہ یہ حدیث ان کو پہنچی ہو اور انھوں نے اس کی تاویل کی ہو یا اس کو منسوخ ٹھہرایا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے یہاں کوئی دوسری حدیث اس کی مخالف ہو۔

مندرجہ بالا بیانات اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ مذکورہ بالا اصحاب اس حدیث میں مذکور وعید کے مصداق نہیں ہیں بشرطیکہ انھوں نے نکاح حلالہ کو مندرجہ بالا وجود کی بنا پر جائز قرار دیا ہو۔ اس میں شبہ نہیں کہ نکاح حلالہ کو بلاوجہ جواز حلال ٹھہرانے والا بالضرور اس وعید کا مستحق ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی شرط کے فقدان یا بعض موانع کے موجود ہونے کی بنا پر بعض لوگوں کو اس وعید کا سزاوار نہیں ٹھہرایا گیا۔

۱۲۔ اس کی مثال یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن ابیہ کو اپنا بھائی قرار دے کر اس کا نسب اپنے والد ابو سفیان کے ساتھ ملا دیا تھا حالانکہ زیاد کی والدہ سمیہ حارث بن کلدہ (۱) کی لونڈی تھی اور زیاد اس کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

اس کی وجہ حضرت معاویہ کے والد ابو سفیان کا یہ دعویٰ تھا کہ زیاد اس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے، حالانکہ آنحضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”جو شخص اپنے والد کے علاوہ اپنے آپ کو کسی دوسرے کی جانب منسوب کرے، حالانکہ وہ جانتا ہو کہ وہ اس کا والد نہیں تو اس پر جنت حرام ہے۔“ (۲)

بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) طبیب عرب حارث بن کلدہ کے حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے الاصابة فی تمیز الصحابة ج ۱ ص ۲۲۸ (سیف)

(۲) امام احمد، بخاری، مسلم، اور ابو داؤد نے اس حدیث کو حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابو بکرؓ سے روایت کیا ہے۔

"جس نے کسی اور شخص کو اپنا والد قرار دیا یا اپنے اصلی مالک کے علاوہ کسی اور کو اپنا آقا ٹھہرایا، تو وہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت کے سزاوار ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کے فرائض و نوافل کو قبول نہیں کرے گا۔"(۱)

سرور کائنات فخر موجودات ﷺ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا کہ بچہ اسی شخص کا تصور کیا جائے گا، جس کی لونڈی یا منکوحہ کے بطن سے تولد ہوگا اور یہ ایک اجماعی فیصلہ ہے۔

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں واضح ہے کہ جو شخص بھی اپنے آپ کو اپنے والد کے سوا جو کہ صاحب الفراش ہے، کسی اور کی جانب منسوب کرے، وہ حضور ﷺ کی حدیث کا مصداق ہے، تاہم اس کے باوجود ہم نام لے کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں شخص پر یہ حدیث صادق آتی ہے۔

جب صورت حال یہ ہے تو پھر صحابہ تو بالاولیٰ اس کے مصداق قرار نہیں پا سکتے۔ اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں صحابی پر یہ وعید صادق آتی ہے کیونکہ اس امر کا امکان ہے کہ ان کو حضور اقدس ﷺ کی یہ حدیث نہ ملی ہو جس میں "الولد للفراش" کا فیصلہ کیا گیا ہے اور وہ یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ بچہ اسی شخص کا ہے، جس کے نطفہ سے وہ پیدا ہوا ہو۔ بنا بریں ابوسفیان زیاد کے والد قرار پائے، کیونکہ زیاد کی ماں سمیہ انہی سے حاملہ ہوئی تھی۔

پھر اس امر کا بھی احتمال ہے کہ لوگ اس حکم سے آشنا نہ ہوں۔ خصوصاً اس دور میں جب کہ احادیث نبویہ کی تدوین عمل میں نہیں آئی تھی۔ علاوہ ازیں قبل از اسلام بھی رواج تھا کہ بچے کو اسی شخص سے منسوب کیا جاتا تھا، جس کے نطفہ سے اس کی ولادت ہوتی تھی اور اس قسم کے دیگر موانع جن کی بناء پر وعید کا اطلاق نہیں کیا جاتا، مثلاً یہ کہ وہ شخص ایسے نیک کام انجام دے، جن سے برائیاں دور ہو جاتی ہیں اور دیگر وجوہ اسباب۔

حلت و حرمت کے دلائل میں اختلاف

اس قسم کے مسائل بے شمار ہیں، ان میں وہ جملہ امور شامل ہیں، جن کی حرمت کتاب و سنت میں وارد ہوئی ہے، مگر بعض ائمہ نے ان کو اس لیے حلال ٹھہرایا کہ حرمت کے

---

(۱) یہ حدیث صحیح ہے۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۹۸

احکام ان کو موصول نہیں ہوئے یا ان کے نزدیک تحلیل کے دلائل وبراہین موجود تھے جو ان کی رائے میں حرمت کے دلائل پر راجح تھے اور یہ ترجیح انھوں نے اپنے علم و عقل کی بنا پر قائم کی تھی۔

تحریم کے احکام

اشیاء کی تحریم کے کچھ احکام و نتائج بھی ہیں مثلاً:

۱۔ حرام کا مرتکب گناہ گار ٹھہرتا ہے۔

۲۔ وہ قابل مذمت ہے۔

۳۔ اسے سزا دی جاتی ہے۔

۴۔ وہ فاسق ٹھہرتا ہے۔

علاوہ ازیں دیگر نتائج، مگر کسی چیز کی حرمت ثابت کرنے کے لیے کچھ شروط و موانع بھی ہیں، مثلاً بعض اوقات کسی چیز کی حرمت ثابت ہوتی ہے، مگر اس کے باوصف کسی شرط کے فقدان یا کسی مانع کے پائے جانے کی بنا پر حرمت کا حکم ختم ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات حرمت کا حکم ایک خاص شخص کے لیے ختم ہوتا ہے اور دوسروں کے لیے موجود ہوتا ہے۔ دراصل مسئلہ زیر قلم میں لوگوں کے دو قول ہیں:

۱۔ علمائے سلف اور فقہاء کا زاویہ نظر اس ضمن میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم سب کے لیے یکساں ہے، جو شخص اپنے اجتہاد کی بنا پر اس کی خلاف ورزی کرتا ہے، اگرچہ وہ خطاکار ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ معذور اور عنداللہ ماجور بھی ہے۔ اس شخص نے بنابر تاویل اگرچہ حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے، مگر اس پر تحریم کا اثر مرتب نہیں ہوتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا ہے۔ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی استطاعت سے زیادہ سزا نہیں دیتا)

۲۔ علماء کا دوسرا گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ فعل اس شخص کے حق میں حرام نہیں۔ اس لیے کہ حرمت کی دلیل اسے نہیں ملی مگر یہ فعل دوسروں کے لیے یقیناً حرام ہے۔ لہٰذا اس شخص نے گویا کسی حرام فعل کا ارتکاب کیا ہی نہیں۔

مگر یہ دونوں مسالک باہم قریب قریب ہیں اور ان میں محض نزاع لفظی کی حد تک فرق و امتیاز پایا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ وعید پر مشتمل احادیث کے بارے میں جب نزاع بپا ہو' تو مذکورہ بالا امور سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس امر پر علماء کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ جس فعل کے ارتکاب پر کوئی وعید بیان کی گئی ہو وہ فعل حرام ہوتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وعید کے جاری کرنے میں اتفاق ہو یا نزاع و جدال پایا جاتا ہو' بلکہ نزاعی امور میں احادیث سے استدلال کرنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے البتہ احادیث جب قطعی الدلالت ہوں تو ان سے استدلال کرنے کے سلسلے میں علماء کی رائے مختلف ہے۔

ایک اہم سوال

اگر سوال کیا جائے کہ تم یوں نہیں کہتے کہ وعید پر مشتمل احادیث کا اطلاق ایسے مسائل پر نہیں کیا جائے گا' جو متنازعہ فیہ ہیں بلکہ محض ان مسائل میں وعید کا اطلاق ہو گا' جن میں نزاع و خلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کے پیش نظر جس عمل کے مرتکب کو ملعون ٹھہرایا گیا ہو یا اسے غضب و عتاب کی وعید سنائی گئی ہو' تو اس کو ایسے فعل پر محمول کیا جائے گا جس کی حرمت متفق علیہ ہو اور اس میں کوئی اختلاف نہ پایا جاتا ہو تاکہ ایسے مجتہدین اس وعید کے دائرہ میں داخل نہ ہو جائیں' جو بعض اعمال کو حلال سمجھ کر انجام دیتے ہیں' بلکہ کسی فعل کی حلت کا عقیدہ رکھنے والا تو اس کے مرتکب سے بھی زیادہ گناہ گار ہے' اس لیے کہ وہ گویا اس کام کو کرنے کا حکم دیتا ہے' اس لیے وہ لازماً لعنت یا غضب پر مشتمل وعید کا ہدف قرار پائے گا۔

جواب

مذکورہ سوال کا جواب کئی طرح سے دیا جا سکتا ہے:

اول: حرام چیز کے سلسلے میں دو باتوں کا احتمال ہے۔

۱۔ اس کی حرمت متنازع فیہ ہو گی۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اس کی حرمت میں اختلاف نہیں ہو گا۔

دوسری صورت میں (جبکہ اس کی حرمت متنازع فیہ نہیں ہے) وہ چیز لازماً حرام

ہوگی اور اس کی حرمت گویا اجماعی ہوگی۔ بنابریں جس چیز کی حرمت مختلف فیہ ہو' وہ حلال ہوگی' حالانکہ یہ اجماعِ امت کے خلاف ہے اور اس لیے باطل ہے۔

بصورت اول جب اس چیز کی حرمت میں اختلاف ہے۔ وہ نزاع کسی صورت میں ہی کیوں نہ ہو۔۔۔ تو مجتہدین میں سے جو امام اس چیز کو حلال ٹھہراتا ہے' اس کو ایک حرام چیز کی تحلیل کی بنا پر مذمت و عقوبت کا مستحق قرار دیا جائے گا یا نہیں۔؟

اس میں دو صورتوں کا احتمال ہے' ایک تو یہ کہ وہ مذمت و عقوبت کا مستحق ہوگا۔ دوسری یہ کہ نہیں ہوگا۔۔۔ علی ہذا القیاس وعید پر مشتمل جس حدیث سے کسی چیز کی حرمت بالاتفاق ثابت ہوگی یا بنابر اختلاف دونوں میں یہی تفصیل ملحوظ خاطر رہے گی۔ بلکہ وعید کا مستحق دراصل وہ شخص ہے' جو اس فعل شنیع کا ارتکاب کرتا ہے' جہاں تک کسی حرام چیز کو حلال قرار دینے والے کا تعلق ہے' اس فعل کے مرتکب سے کہیں زیادہ ہے اور اسی نسبت سے وہ سزا کا استحقاق رکھتا ہے۔

مندرجہ بالا بیانات اس حقیقت کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ جب کسی چیز کی حرمت میں اختلاف کے باوجود اس کی تحریم ثابت ہو جاتی ہے اور جو مجتہد اس کو حلال ٹھہراتا ہے' اس کو اس امر کی سزا نہیں دی جاتی کہ وہ حرام چیز کی تحلیل کا مرتکب ہوا' اس لیے کہ وہ اس میں معذور ہے۔ تو جو شخص اس فعل کا مرتکب ہوگا اس کو اس فعل کی سزا نہ دینا بہر حال اولیٰ و افضل ہے۔ بعینہ اسی طرح جب اس مجتہد کو بنابر تحلیل حرمت' مذمت اور سزا کا مستحق نہیں گردانا جاتا' تو لازماً وہ اس وعید کا مصداق بھی نہیں ٹھہرے گا' جو اس ضمن میں وارد ہوئی ہے۔ اس لیے کہ وعید بھی مذمت اور سزا ہی کی ایک قسم ہے۔ جب عقوبت و مذمت ایک جنس اور وعید اس کی انواع میں سے ایک نوع ہے' تو جو حکم ایک نوع کا ہوگا وہی دوسری کا ہوگا۔

ظاہر ہے کہ مذمت کی قلت و کثرت یا سزا کی شدت و خفت سے کچھ فرق نہیں پڑتا' اس لیے کہ یہاں قلت و کثرت دونوں برابر ہیں اور مجتہد سرے سے کسی سزا یا مذمت کا مستحق ہی نہیں' قلیل ہو یا کثیر بخلاف ازیں اس کو منجانب اللہ بنابر اجتہاد اجر و ثواب ملے گا۔

دوم: دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی فعل کے حکم کا اجماعی یا متنازع فیہ ہونا ایسے امور

ہیں جو فعل اور اس کی صفات سے خارج ہیں' بخلاف ازیں یہ اضافی امور ہیں اور ان کا مدار و انحصار بعض علماء کے علم یا عدم علم پر ہے۔

یہ امر پیش نظر رہے کہ جب کسی عام لفظ سے خاص معنی مراد لیے جائیں' تو اس کے لیے کسی دلیل کا ہونا ضروری ہے' جس سے ظاہر ہو کہ یہاں اس لفظ سے خاص معنی مراد لیے گئے ہیں' پھر اس کی دو صورتیں ہیں:

ا۔۔ یا تو تخصیص کی یہ دلیل عام لفظ کے ساتھ ہی موجود ہو گی اور یہ ان علماء کا موقف ہے جو بوقت ضرورت بیان میں تاخیر کو جائز تصور نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک جو لفظ جہاں وارد ہوا ہو' اس کی توضیح اس کے ساتھ متصل ہونی چاہیے۔

۲۔۔ اور یا اس عام لفظ کی توضیح بوقت ضرورت کر دی جائے' جمہور کی رائے یہی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ عہد رسالت میں جن لوگوں کو عام الفاظ کے ساتھ مخاطب کیا جاتا تھا' وہ یہ بات جاننے کے محتاج تھے کہ ان کا معنی و مفہوم کیا ہے۔ بنا بریں اگر عام الفاظ سے مراد وہ احکام ہوتے' جن کی حرمت پر اجماع منعقد ہو چکا ہو مثلاً سود خوار و نکاح حلالہ کرنے والے پر لعنت کا بیان' تو اس کی توضیح اس عہد تک ملتوی ہوتی' جب پوری امت مسلمہ اس عام کے تمام افراد کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کر چکی اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد عمل میں آیا' لہٰذا یہ قطعی طور پر غلط اور ناقابل فہم ہے۔

سوم: تیسرا جواب یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کو ان الفاظ کے ساتھ اس لیے مخاطب کیا گیا تاکہ حلال و حرام میں امتیاز کر کے حرام سے بچ سکیں۔ نیز نزاع و خلاف کی صورت میں اجماع منعقد کرتے وقت اس کے ساتھ استدلال میں سہولت پیدا ہو سکے۔ اگر اس سے مراد صرف وہی احکام ہوتے ہیں' جن پر امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے تو ان کے معنی و مفہوم کا معلوم کرنا اجماع پر موقوف ہوتا اور اجماع کا علم حاصل کیے بغیر ان کے ساتھ استدلال ممکن نہ ہوتا۔ نیز اجماع کے انعقاد کے سلسلے میں ان کے ساتھ استدلال کرنے کا بھی کوئی جواز نہ ہوتا' اس لیے کہ اجماع کی دلیل کا اجماع سے متقدم ہونا ضروری ہے۔ اور اس کے

متأخر ہونے کی صورت میں (منطقی) اور لازم آتا جو کہ باطل ہے۔

منطقی دور کی صورت

منطقی دور یوں لازم آتا ہے کہ اصحاب اجماع کسی حدیث سے کسی مسئلہ پر اس وقت استدلال نہیں کر سکتے' جب تک انھیں یہ بات معلوم نہ ہو کہ اس حدیث کا مفہوم وہی ہے جو انھوں نے سمجھا ہے اور اس حدیث کا مفہوم جو مقصود ہے' انھیں تب معلوم ہو گا' جب اس پر علماء کا اجماع منعقد ہو چکا ہو۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ حدیث سے زیر نظر استدلال اس بات پر موقوف ہے کہ پہلے اس کے مفہوم پر اجماع قائم ہو چکا ہو اور اجماع کا انعقاد اس امر پر موقوف ہے کہ انھوں نے قبل ازیں اس حدیث سے استدلال کیا ہو۔

اس طرح ایک چیز کا اپنے آپ پر موقوف ہونا لازم آتا ہے جو کہ محال ہے اور محل نزاع میں حجت نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حدیث محل اختلاف و اتفاق دونوں میں حجت نہیں اور کسی شرعی حکم پر دلالت کرنے سے عاری ہے۔ نظر بریں ان تمام نصوص سے جن میں کسی فعل شنیع پر مذمت کا اظہار کیا گیا ہے' اس فعل کی حرمت ثابت نہیں ہو گی اور یہ بات قطعی اور ظاہری طور پر باطل ہے۔

چہارم: اجماع کو جملہ امور میں لازم ٹھہرانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی حدیث سے صرف اس صورت میں استدلال کیا جائے گا' جب یہ معلوم ہو جائے کہ ملت اسلامیہ اس پر مجتمع ہو چکی ہے۔[1] اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ زمانہ اول کے لوگ تو سرے سے احادیث سے استدلال

(۱) امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ متأخرین میں سے' جس نے یہ کہا ہے کہ شریعت کے اکثر و بیشتر مسائل کی بنیاد اجماع پر ہی ہے' تو وہ در حقیقت اپنے حالات کے مطابق بات کرتا ہے کیونکہ کتاب و سنت کی صحیح معرفت نہ ہونے کی وجہ سے وہ یہ بات کہتا ہے اور یہ بات ایسے ہی ہے جیسے یہ کہا کرتے ہیں کہ اکثر حوادث و واقعات قیاس کے محتاج ہیں کیونکہ ان کے بارے میں نصوص نہیں ہیں' تو ایسی بات صرف وہی کہہ سکتا ہے جسے کتاب و سنت اور احکام پر ان کی دلالت کا علم نہ ہو۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کے یا جس کی نظیر کے بارے میں صحابہ کرام نے بات نہ کی ہو کیونکہ جب علاقے فتح ہو گئے' اسلام دور دور تک پھیل گیا تو ہر طرح کے مسائل پیش آئے اور ان کے بارے میں صحابہ کرام نے کتاب و سنت ہی کی روشنی میں بات کی اور صرف نہایت قلیل مسائل تھے' جن کا حل رائے سے پیش کیا گیا۔ اکثر صحابہ نہ اجماع سے حجت پکڑتے اور نہ انھیں اس کی ضرورت تھی کیونکہ وہ تو خود اہل اجماع تھے۔ ان سے پہلے تو کوئی اجماع نہ تھا۔ مجموع فتاویٰ ابن تیمیہؒ ج ۱۹ ص ۲۰۰ (سیف)

نہیں کر سکتے' بلکہ جن صحابہ نے کوئی حدیث آنحضور ﷺ کی زبان مبارک سے سنی' وہ بھی اس سے استدلال کرنے کے اہل نہیں۔ اجماع کو ضروری قرار دینے سے یہ لازم آئے گا کہ جب کوئی شخص حدیث سنے اور یہ دیکھے کہ بکثرت علماء اس پر عمل پیرا ہیں' اس کی نگاہ میں کوئی شخص اس حدیث کا مخالف بھی نہ ہو' تاہم وہ شخص اس حدیث کے مطابق اس وقت تک عمل نہیں کر سکتا جب تک تمام کرہ ارض میں چل پھر کر اس بات کی تحقیق نہ کر لے کہ آیا کوئی شخص اس حدیث کا مخالف تو نہیں ؟ اسی طرح کوئی شخص اجماع کی بنا پر کسی مسئلہ میں اس وقت کوئی استدلال نہیں کر سکتا جب تک وہ اچھی طرح تحقیق نہ کر لے۔

مندرجہ بالا امور پر عمل کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ محض ایک صاحب اجتہاد امام کی مخالفت کی بنا پر نبی اکرم ﷺ کی حدیث کی تعمیل نہیں ہو سکے گی۔ یہ کس قدر حیرت ناک بات ہے کہ ایک شخص کی موافقت کی بنا پر حدیث رسول واجب العمل ٹھہرے اور جب وہ اس کی مخالفت کرے تو حدیث رسول ﷺ کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے اور اگر کوئی شخص غلطی سے بھی حدیث کی مخالفت کرے تو اس کی غلطی بھی حدیث رسول کو باطل ٹھہرانے کی موجب ہو۔ و ھذا ظاھر البطلان۔

اگر یہ کہا جائے کہ کسی حدیث سے استدلال اس صورت میں کیا جائے گا جب اس بات کا علم ہو جائے کہ اس ضمن میں اجماع منعقد ہو چکا ہے' تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ نصوص شرعیہ کی کسی مسئلہ پر دلالت اجماع پر موقوف ہے' حالانکہ یہ بات خود اجماع کے خلاف ہے (اس لیے کہ نصوص شرعیہ بذات خود حجت ہیں اور دلالت کرنے میں کسی چیز کی محتاج نہیں) اس کا نتیجہ یہ بھی ہو گا کہ نصوص کی دلالت اپنے مفہوم پر باقی نہیں رہے گی۔ محض اجماع ہی معتبر رہے گا اور نصوص بے اثر ہو کر رہ جائیں گی۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب ان احادیث کے خلاف کسی کا قول نہیں ملے گا تو ان سے بھی استدلال کیا جائے گا مگر اس سے بھی یہ بات لازم آتی ہے کہ ملت اسلامیہ کے ایک فرد کا قول نصوص کی دلالت کو بے اثر بنانے کا موجب ٹھہرے اور یہ بات خلاف اجماع بھی

ہے اور واضح طور پر باطل بھی۔

پنجم: پانچویں صورت یہ ہے کہ اس خطاب کے عموم میں یا پوری امت شامل ہو اور وہ مسئلہ زیر بحث کی حرمت پر اعتقاد رکھتی ہو۔ دوسرے یہ کہ محض اس بات کو کافی سمجھا جائے کہ علماء اس کی حرمت کے قائل ہیں۔

پہلی صورت میں وعید پر مشتمل احادیث سے کسی چیز کی حرمت پر اس وقت تک استدلال نہیں کیا جا سکے گا' جب تک یہ بات معلوم نہ ہو کہ پوری امت اس کی حرمت کا عقیدہ رکھتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو دور افتادہ دیہات میں بودو باش رکھتے ہیں یا ہنوز مشرف بہ اسلام ہوئے انھیں زیادہ عرصہ نہیں گزرا اور ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی بات ہے جو نہ صرف ایک مسلم بلکہ کوئی سلیم العقل آدمی بھی کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا' اس لیے کہ یہ شرط ناممکنات میں سے ہے۔

ایک سوال

اگر یوں کہا جائے کہ کسی چیز کی حجت ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ تمام علماء اس پر یقین رکھتے ہوں' تو اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ علماء کے اجماع کی شرط تم نے اس لیے لگائی ہے تاکہ بعض مجتہدین خطاکار ہونے کی صورت میں بھی اس وعید کا ہدف قرار نہ پائیں' حالانکہ یہ بات ان عوام پر بھی صادق آتی ہے' جو حرمت کی دلیل سے ناآشنا ہوں' اس لیے کہ دونوں یکساں طور پر اس حدیث کے مصداق ٹھہرتے ہیں' جس میں لعنت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس الزام سے بچاؤ کی صورت یہ نہیں ہو سکتی کہ وہ لوگ تو امت کے علماء و فضلاء میں سے ہیں' جبکہ دوسرے لوگ عوام کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اس مسلمہ فرق و امتیاز کے باوجود دونوں ہی گروہ اس مسئلہ میں برابر کے شریک ہیں۔

اللہ تعالیٰ جس طرح ایک مجتہد کی خطاء معاف کرتا ہے بعینہ اسی طرح ایک جاہل کی غلطی سے بھی درگزر کرتا ہے' جبکہ وہ اس کے علم سے محروم رہا ہو' بلکہ ایک جاہل شخص غیر شعوری طور پر جب ایک غلطی کا مرتکب ہوتا ہے' تو اس سے جو خرابی پیدا ہوتی ہے وہ اس

بگاڑ سے کہیں کم ہے' جو ایک عالم شخص کے فعل سے پیدا ہوتا ہے۔ جب وہ بنا بر جہالت اس چیز کو حلال قرار دیتا ہے' جس کو شارع نے حرام ٹھہرایا ہے۔ اسی لیے یہ مقولہ مشہور ہے:

"زَلَّةُ الْعَالِمِ زَلَّةُ الْعَالَمِ"

(ایک عالم کی لغزش سارے جہان کی لغزش کی موجب ہے)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما[1] فرماتے ہیں:

"ایک عالم کے لیے اس کے پیروکار ہلاکت کا موجب بنتے ہیں۔"

جب ایک عالم کا فعل قابل معافی ہے' حالانکہ اس کے فعل سے جو فساد رونما ہوتا ہے' وہ دوسرے شخص کے فعل سے پیدا ہونے والی خرابیوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ تو دوسرے شخص کو بالاولی معافی ملنی چاہیے۔ البتہ ایک عالم اور جاہل کے فعل میں ایک فرق و امتیاز ضرور پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ عالم نے علم کی نشر و اشاعت اور احیاء کی نیت سے ایک اجتہاد کیا' اس لیے اس کی غلطی پر کسی حد تک پردہ پڑ جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی اعتبار سے عالم و جاہل کے فعل میں فرق و امتیاز روا رکھا ہے اور وہ یہ کہ اس نے مجتہد کو بناء بر اجتہاد اور عالم کو بناء علم اجر و ثواب سے بہرہ ور کیا ہے ہے' جاہل اس میں بالکل شریک نہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عفو و مغفرت میں عالم و جاہل دونوں کو برابر کے سہیم

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب' امام بحر' حبر الامۃ' ترجمان القرآن رسول اللہ ﷺ کے برادر عم زاد تھے' آپ نے ان کے لیے یہ دعاء فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ انھیں دین کی فقاہت عطا فرمائے' ۶۸ھ میں طائف میں انتقال فرمایا۔ حالات کے لیے دیکھیے: اسد الغابة ۳/ ۲۹۰' الاصابه ۱/ ۳۲۲' تاریخ بغداد ۱/ ۱۷۳' تذکرة الحفاظ ۱/ ۴۰' خلاصة ۱۷۲' شذرات ۱/ ۷۵' طبقات الشیرازی ۴۸' طبقات القرآ لابن الجزری ۱/ ۴۳۵' طبقات القرأ للذهبی ۱/ ۴۱'العبر ۱/ ۷۶' النجوم الزاهرة ۱/ ۱۸۲'نکت الهمیان ۱۸۰' طبقات الحفاظ للسیوطی ۱۰/ ۱۸ (سیف)

اور شریک ہیں' مگر اجر و ثواب میں ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص سزا کا مستحق نہ ہو' اس کو سزا نہیں دی جا سکتی' قطع نظر اس سے کہ اس کا جرم چھوٹا ہو یا بڑا۔ نظر بریں مذکورہ بالا دونوں قسم کے لوگ اس حدیث کے دائرہ سے خارج ہوں گے۔

ششم: وعید پر مشتمل بعض احادیث ایسی ہیں' جو نزاع و خلاف کی صورت میں نص کا درجہ رکھتی ہیں۔ مثلاً وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ جس شخص نے کسی عورت کو حلال کرنے کے لیے اس کے ساتھ نکاح حلالہ کیا' تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

بعض علماء کا قول ہے کہ وہ شخص کسی صورت میں بھی گناہ گار نہیں ہو گا' اس لیے کہ جب اس عورت کا نکاح پہلی مرتبہ ہوا تھا' وہ اس میں کسی طرح بھی شریک نہیں تھا تاکہ یہ کہا جائے کہ یہ شخص اس لیے ملعون قرار پایا کہ یہ پہلے ہی اس عورت کو اپنے لیے حلال ٹھہرانا چاہتا تھا۔

اندریں صورت جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ پہلا نکاح صحیح ہے اور دوسرے نکاح میں جس شرط کا ذکر کیا گیا وہ باطل ہے' اس کے نزدیک وہ عورت دوسرے خاوند کے لیے حلال ٹھہرے گی اور وہ گناہ گار نہیں ہو گا۔(۱)

جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جو کسی عورت کے ساتھ اس نیت کے ساتھ نکاح کرتا ہے کہ وہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے' تو وہ اس تحلیل کے جرم میں ملعون ٹھہرے گا اور یہ عقیدہ رکھنے کی بنا پر جو شرط عقد نکاح کے وقت مقرر کی گئی ہے' اس کا ایفاء ضروری ہے۔ اور اس امر کا بھی احتمال ہے کہ یہ دونوں امور بحیثیت مجموعی اس کے ملعون ٹھہرنے کا موجب ہوں۔

ظاہر ہے کہ پہلی اور تیسری صورت میں تو مقصد پورا ہو جاتا ہے' البتہ دوسری صورت میں اس شخص کا عقیدہ لعنت کا موجب ہے۔ خواہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو یا نہ ہو۔ اندریں صورت حدیث میں لعنت کا اصلی موجب گویا مذکور ہی نہیں اور یہ باطل ہے۔

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: اقامۃ الدلیل لابن تیمیہؒ اور اغاثۃ اللھفان لابن قیم ص ۱۱۴ (سیف)

یہ امر بھی پیشِ نظر رہے کہ اگر وہ شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ نکاح میں مقرر کردہ شرط کو پورا کرنا ضروری ہے' جاہل ہے تو وہ لعنت کا مستوجب نہیں ہوگا اور اگر اسے اس بات کا علم ہے کہ اس کا ایفاء ضروری نہیں تو وہ اس کے واجب ہونے کا معتقد نہیں ہو سکتا۔ الا یہ کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے کافر ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس حدیث میں جس لعنت کا ذکر کیا گیا ہے' اس کے اصلی مصداق کفار ہیں اور کفر کا انحصار صرف اس جزوی حکم کے انکار پر ہی نہیں' بلکہ جملہ احکام کا یہی حال ہے۔ یہ تو بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص یوں کہے:

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو رسول اکرم ﷺ کے حکم کو جھٹلائے کہ نکاح میں جو شرطیں لگائی جاتی ہیں وہ باطل ہوتی ہیں۔"

مزید برآں اس حدیث میں جو عموم پایا جاتا ہے' وہ لفظی بھی ہے اور معنوی بھی۔ ظاہر ہے کہ ایسے عموم کو استثنائی صورتوں پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً لکنت (توتلاپن) اور عجز عن الکلام بھی گفتگو ہی کی ایک قسم ہے۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ بعض لوگ مندرجہ ذیل حدیث نبوی کو مکاتبت پر محمول کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے' اس کا نکاح باطل ہے"(۱)

مندرجہ بالا بیان کی توضیح یہ ہے کہ جو مسلم اس حدیث کے مضمون سے آگاہ نہ ہو' وہ اس کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جو مسلم جانتا ہو کہ اس شرط کا ایفاء ضروری نہیں یا شرط کا ذکر کرتے وقت اس کی نیت یہ ہو کہ میں اس کو پورا نہیں کروں گا' تو وہ حدیث میں مذکور لعنت کا مستوجب نہیں ہوگا۔ بجز اس صورت کے کہ وہ کافر ہو۔ ظاہر ہے کہ کافر کا نکاح اہل اسلام سے مختلف طرز کا ہوتا ہے۔ ہاں! اگر وہ منافق ہو تو مسلمان کی طرح نکاح کی رسوم ادا کرے گا' تو اس قسم کا نکاح شاذونادر ہی وقوع پذیر ہوتا ہے۔

---

(۱) اس حدیث کو امام احمد' ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ نے بروایت حضرت عائشہؓ روایت کیا ہے' محدث ابوعوانہ' ابن حبان اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مندرجہ بالا صورت اس وقت متکلم کے ذہن میں ملحوظ نہیں ہوتی، جب یہ الفاظ اس کی زبان سے صادر ہوتے ہیں، تو لکھنے والے کی یہ بات بعید از قیاس نہیں۔ ہم نے دوسری جگہ بکثرت دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ اس حدیث میں اس شخص کو ملعون ٹھہرایا گیا ہے، جو قصداً کسی عورت کے ساتھ محض اس لیے نکاح کرتا ہے کہ وہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے۔ گو نکاح کے وقت اس شرط کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔ (۱)

قبروں کی زیارت

بعض احادیث میں خاص وعید کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے، مثلاً وہ احادیث جن میں لعنت یا نار جہنم کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور بعض جگہ یہ وعید صراحۃً مذکور ہے۔ اگرچہ اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان عورتوں پر لعنت فرمائے جو قبروں کی زیارت کرنے جاتی ہیں اور ان مردوں پر بھی اللہ کی لعنت ہو جو قبروں پر مسجدیں بناتے اور ان پر چراغ جلاتے ہیں"(۲)

---

(۱) دیکھیے مصنف کی کتاب "اقامۃ الدلیل علی ابطال التحلیل" طبع شدہ در فتاویٰ ابن تیمیہ الجزء الثالث۔

(۲) اس حدیث کو ابو داؤد، ابن ماجہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں بروایت ابو صالح باذان مولیٰ ام ہانی از ابن عباس روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اگرچہ اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، مگر یہ بات متنازع فیہ ہے۔ اس لیے کہ ابو صالح محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ محدث ابن عدی کہتے ہیں کہ متقدمین میں سے کوئی بھی ابو صالح کو پسند نہیں کرتا۔ المنذری کا قول ہے کہ تمام ائمہ حدیث نے اس کو مطعون قرار دیا گیا ہے۔ اس کو امام احمد، ابو داؤد اور محدث حاکم نے حسان بن ثابت سے روایت کیا ہے۔ "الزوائد" میں مرقوم ہے کہ حسان بن ثابت کی روایت کردہ حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے رواۃ ورجال ثقہ ہیں۔ امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ (نیز ملاحظہ فرمائیے: تهذيب سنن ابن داؤد لابن قيم، باب كراهة اتخاذ القبور مساجد، فتح المجيد للشيخ عبد الرحمن بن حسن آل الشيخ ص ۲۵۱ تحذير المساجد عن اتخاذ القبور مساجد للالباني (سیف))

زیارت قبور کو عورتوں کے لیے بعض نے جائز قرار دیا ہے اور بعض علماء نے اسے ناپسند کیا ہے' مگر اس کو حرام نہیں ٹھہرایا۔ اس کی ایک مثال حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اللہ ان مردوں پر لعنت کرے جو اپنی بیویوں کی دبر میں مجامعت کرتے ہیں"(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو شخص اپنی چیز فروخت کے لیے بازار میں لاتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو رزق دیتا ہے اور جو آدمی کسی چیز کو گراں فروشی کے لیے روکے رکھتا ہے وہ ملعون ہے۔(۲) قبل ازیں وہ حدیث ذکر کی جا چکی ہے' جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تین آدمی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ روز قیامت ہمکلام نہ ہو گا' نہ ان پر نظر رحمت کرے گا اور نہ ہی ان کو گناہوں سے پاک کرے گا۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب مقدر ہے۔" اور ان میں وہ شخص بھی شامل ہے' جو ضرورت سے زائد پانی دوسروں کو نہیں دیتا۔

یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ سرور کائنات ﷺ نے شراب فروخت کرنے والے کو ملعون قرار دیا ہے' حالانکہ بعض متقدمین شراب فروشی کیا کرتے تھے۔

اسی طرح یہ حدیث بسند صحیح متعدد سندوں سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص از راہ فخر اپنا تہبند نیچے لٹکاتا ہے' اللہ تعالیٰ روز قیامت اس پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔"

سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

"تین شخص ہیں جن سے اللہ تعالیٰ روز قیامت نہ تو ہم کلام ہو گا' نہ ان پر نظر

(۱) اس حدیث کو امام احمد' ابوداؤد اور نسائی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ "وہ شخص ملعون ہے جو اپنی بیوی کی دبر میں مجامعت کرتا ہے" ' اسی طرح امام احمد' ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ نے بسند صحیح حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے' جو شخص اپنی بیوی سے حیض کی حالت میں یا دبر میں مجامعت کرے یا کسی کاہن کے پاس جائے اور جو بات وہ کہے اس کی تصدیق کرے تو اس نے میری رسالت کا انکار کر دیا۔

(۲) اس حدیث کو محدث' ابن ماجہ' حاکم اور دارمی نے روایت کیا ہے' مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ صحیح مسلم میں معمر سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے کسی چیز کو روکے رکھا اور فروخت نہ کیا وہ خطاکار ہے۔ اور خطاکار نافرمانی کرنے والا اور گناہ گار ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا: ﴿ لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ﴾ (اس کو نہیں کھاتے مگر وہ لوگ جو خطاکار ہیں)

(۳) اس حدیث کو امام احمد' بخاری و مسلم اور اصحاب سنن نے بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ نقل کیا ہے۔

رحمت فرمائے گا' نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب مقدر ہے۔"

۱۔وہ شخص جو اپنا تہبند ڈھیلا چھوڑتا ہے۔

۲۔دوسرے پر احسان کر کے جتلانے والا۔

۳۔جھوٹی قسم کھا کر اپنے سودے کی تشہیر کرنے والا۔ (۱)

مگر اس کے باوجود فقہاء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ فخر و کبر کی بناء پر تہبند لٹکانا ایک ناپسندیدہ فعل تو ہے' مگر حرام نہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس عورت پر لعنت فرمائے' جو اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے بال خود جوڑتی ہے یا کسی دوسری عورت کے لیے یہ کام انجام دیتی ہے۔ (۲)

مذکورہ بالا حدیث احادیث صحیحہ میں شمار ہوتی ہے اور بالوں کے ساتھ مزید بال جوڑنے کا مسئلہ متنازع فیہا ہے۔

ایک حدیث میں یوں ارشاد فرمایا:

"جو شخص چاندی کے برتن میں پانی پیتا ہے' وہ اپنے شکم میں آگ بھرتا ہے۔ (۳)

مگر اس کے باوجود بعض علماء اس کو ممنوع قرار نہیں دیتے۔

ہفتم: اس کا ساتواں جواب یہ ہے کہ حدیث میں جو عموم پایا جاتا ہے' وہ موجود ہے اور جس معارض کا ذکر کیا گیا ہے' اس میں معارضہ کی صلاحیت نہیں پائی جاتی۔ اس لیے کہ معارضہ کی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ اگر بناء بر عموم اس کو اتفاق و اختلاف کی تمام صورتوں پر محمول کیا جائے' تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہو جائیں گے جو لعنت کے مستحق نہیں۔

---

(۱) اس حدیث کو امام ابو داؤد' امام مسلم' نسائی' ترمذی اور ابن ماجہ نے بروایت حضرت ابوذرؓ ذکر کیا ہے۔

(۲) اس حدیث کو امام احمد' بخاری' مسلم اور اصحاب سنن (ابو داؤد' نسائی' ابن ماجہ) نے بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: اللہ تعالیٰ وَاصِلَہ اور مُسْتَوْصِلَہ پر لعنت فرمائے وَاصِلَہ وہ عورت ہے جو اپنے ہاتھوں کے ساتھ بالوں کو جوڑتی ہے۔

اور مُسْتَوْصِلَہ وہ عورت ہے جو دوسری عورت سے یہ کام کرواتی ہے۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ اپنے بالوں کے ساتھ عورتیں مصنوعی بال اس لیے لگاتی ہیں کہ بال زیادہ دکھائی دیں۔

(۳) بخاری و مسلم بروایت حضرت ام سلمہؓ۔

نظر بریں جب حدیث میں مذکور عموم کی تخصیص خلاف اصل ہوئی' تو اس کی تکثیر و تعمیم بھی خلاف اصل ہے' لہذا اس عموم سے وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے' جو جہالت یا اجتہاد یا تقلید کی بناء پر معذور ہیں' حالانکہ اس حکم میں غیر معذور اس طرح داخل ہیں' جس طرح اتفاق کی تمام صورتیں۔ اس لیے کہ یہ تخصیص کم از کم ہونے کی وجہ سے اولیٰ و افضل ہے۔

ہشتم: جب ہم الفاظ کو یہ معنی پہنائیں گے' تو اس میں لعنت کا سبب بھی شامل ہو گا' مگر مانع کی وجہ سے مستثنیٰ اس حکم سے خارج ہو گا۔ اس میں شبہ نہیں کہ جو شخص کسی سے وعدہ کرے یا وعید سنائے' اس کے لیے موزوں نہیں کہ اس شخص کو اس سے مستثنیٰ قرار دے جس پر وعدہ یا وعید کا اطلاق کسی معارض کی وجہ سے نہیں ہوتا تا کہ کلام صحیح طور پر جاری رہ سکے۔

البتہ جب ہم لعنت کا اطلاق ایسے فعل پر کریں' جس کی حرمت پر اجماع منعقد ہو چکا ہو' یا لعنت کا سبب ایسے عقیدے کو ٹھہرائیں جو اجماع کے خلاف ہو تو اندریں صورت لعنت کا سبب حدیث میں مذکور نہیں ہو گا' حالانکہ اس عموم میں بھی تخصیص ناگزیر ہے۔ جب دونوں صورتوں میں تخصیص ازبس ضروری ہے تو پہلی صورت میں اس کا التزام اولیٰ ہے' اس لیے کہ اس صورت میں کلام صحیح طریقہ پر جاری ہو گا اور اس میں اضمار کی ضرورت لاحق نہیں ہو گی۔

نہم: اس کا موجب یہ امر ہے کہ لغت کے اعتبار سے معذور آدمی اس میں شامل نہیں۔ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ وعید پر مشتمل احادیث میں مقصود اس کا ذکر و بیان ہے کہ یہ فعل لعنت کا موجب ہے۔ گویا حدیث کی عبارت دراصل یوں ہے: "یہ فعل لعنت کا باعث ہے۔"

اگر اس طرح کہا جاتا تو اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ ہر شخص کے بارے میں یہ حکم ثابت ہو' مگر اس سے یہ لازم آئے گا کہ بعض جگہ سبب تو موجود ہو گا مگر اس کا حکم مفقود ہو گا اور اس میں کوئی اعتراض نہیں۔

ہم قبل ازیں واضح کر چکے ہیں کہ مجتہد مذمت کا مستحق نہیں۔ ہم یہ بھی کہتے ہیں

کہ جو شخص کسی حرام چیز کو حلال ٹھہراتا ہے۔ اس کا جرم اس شخص سے کہیں بڑھ کر ہے' جو حرام فعل کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس کے باوجود جو شخص معذور ہے' اس کو معذور ہی سمجھنا چاہیے۔

ایک سوال

اگر پوچھا جائے کہ مندرجہ بالا بیان کے پیش نظر سزا کا کون مستحق ہو گا؟ اس لیے کہ حرام کا مرتکب شخص یا تو مجتہد ہو گا یا اس کا مقلد' اور دونوں سزا سے مستثنیٰ ہیں۔ اس کے کئی جواب ہیں:

۱۔ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ مقصد اس امر کا ذکر و بیان ہے کہ فلاں فعل فلاں قسم کی سزا کا تقاضا کرتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ فعل کا مرتکب موجود ہو یا نہ ہو۔
اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ جو شخص بھی اس فعل کا ارتکاب کرتا ہے' اس میں سزا کی شرط مفقود ہوتی ہے یا یہ کہ اس میں سزا دینے کے لیے کوئی مانع موجود ہوتا ہے' تو وہ فعل اس کے باوجود حرام ہی رہے گا اور اس کی حرمت ہر شبہ سے پاک ہو گی' لہٰذا جس شخص کو اس فعل کی حرمت کا علم ہو گا' وہ اس سے اجتناب کرے گا۔ اور اس فعل کے مرتکب پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے کہ اس کو سزا نہ دینے کے لیے ایک قوی عذر موجود ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ تمام صغیرہ گناہ حرام ہیں' مگر جو شخص کبائر سے اجتناب کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے صغیرہ گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ ان تمام محرمات کا بھی یہی حال ہے جن میں اختلاف ہے۔ جو شخص بصورت اجتہاد یا تقلید محرمات کا ارتکاب کرتا ہے' اگرچہ اسے معذور سمجھ کر سزا نہیں دی جائے گی' تاہم وہ امور ہمارے لیے حرام ہی رہیں گے اور ہم ان کی حرمت کے عقیدہ کو ترک نہیں کر سکتے۔

۲۔ کسی چیز کے بارے میں شرعی حکم بیان کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس فعل کا مرتکب ہو گا تو اس کو مقررہ سزا دی جائے گا اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں' اس لیے کہ عقیدہ کی بناء پر جو عذر حاصل ہوتا ہے' اس کی بقاء مقصود نہیں۔ بخلاف ازیں جو بات مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ امکانی حد تک عذر زائل ہو

جائے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو علم کا اظہار بے کار ہوتا اور لوگوں کا جاہل رہنا ان کے لیے مفید ہوتا۔ اس طرح مشتبہ مسائل کے دلائل کا ذکر نہ کرنا ان کے ذکر و بیان سے بہتر ہوتا ہے۔

۳۔ اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ کسی فعل کے حکم اور وعید کو اس لیے ذکر کیا جاتا ہے تاکہ جو شخص اس فعل سے احتراز کرتا ہے' وہ اپنے طرز عمل کو جاری رکھے اور اس فعل کا مرتکب نہ ہو۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو سب لوگ اس فعل کا ارتکاب کرنے لگ جاتے۔

۴۔ چوتھی بات یہ ہے کہ ایک عذر اسی صورت میں قابل قبول ہوتا ہے' جب ایک شخص اس کے ازالہ پر قادر نہ ہو' ورنہ جب انسان حق معلوم کرنے کے باوجود اس میں سہل انگاری سے کام لے' تو اسے معذور تصور نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ بعض لوگ کسی فعل کا ارتکاب تو کرتے ہیں' مگر کسی اجتہاد یا تقلید کی بنا پر وہ فعل ان کے لیے مباح نہیں ہوتا۔ اندریں صورت وعید کا نفاذ ہو جاتا ہے اور اس میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔ الا یہ کہ کوئی دوسرا مانع موجود ہو' جس کی بناء پر وعید کو نافذ نہ کیا جا سکے۔ مثلاً وہ شخص تائب ہو جائے یا ایسے اعمال صالحہ انجام دے' جس سے گناہوں کا ازالہ ہو سکے' یا اس قسم کے دیگر موانع۔

مگر مندرجہ بالا بیان ہر موقع پر صادق نہیں آتا۔ بعض اوقات ایک شخص یہ خیال کرتا ہے کہ فلاں فعل اس کے اجتہاد یا تقلید کی بناء پر اس کے لیے مباح ہے۔ اس امر میں بھی دونوں باتوں کا احتمال ہے۔ اس کی یہ بات درست بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی۔ مگر جب کوئی شخص حق کی پیروی کرنے کا خواہاں ہو اور نفسانی خواہش اس کی راہ میں حائل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔

دہم:[1] اگر ان احادیث کے اصل معنی مراد لینے سے یہ لازم آتا ہے کہ بعض

(۱) یہ اس سوال کا دسواں جواب ہے کہ وعید پر مشتمل احادیث کا اطلاق ان امور پر کیا جائے گا جو اجماعی ہیں اور متنازع نہیں ہیں۔

مجتہدین ان میں ذکر کردہ وعید کے مصداق ٹھہرتے ہیں' تو ان کی تاویل سے بھی یہ قباحت لازم آتی ہے کہ بعض مجتہدین پر اس کا اطلاق ممکن ہوتا ہے اور جب دونوں صورتوں میں یہ قباحت لازم آتی ہے' تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ حدیث واجب العمل اور معارضہ سے پاک ہوگی۔

مذکورہ بالا مسئلہ کی توضیح یہ ہے کہ اکثر ائمہ کرام کا قول ہے کہ جو مسئلہ متنازع فیہ ہے' اس کا مرتکب بھی ملعون ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ(1) بھی اس زمرہ میں شمار ہوتے ہیں' آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی عورت سے محض اس لیے نکاح کرتا ہے تاکہ وہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے؟ حالانکہ اس عورت اور اس کے خاوند کو اس کا بالکل علم نہیں؟ حضرت عبداللہ نے جواباً کہا: "یہ نکاح نہیں بلکہ زناکاری ہے' اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے حلال کرنے والے اور جس کے لیے عورت کو حلال کیا جائے' دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔" یہ مسئلہ حضرت عبداللہ اور دیگر صحابہ سے متعدد سندوں سے منقول ہے۔ بہت سے ائمہ کرام کی بھی یہی رائے ہے۔ انہی ائمہ میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ بھی شامل ہیں۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

"جب اس عورت کو دوسرے خاوند کے لیے حلال ٹھہرانے کا ارادہ کیا تو وہ محلل قرار پایا اور اس لیے وہ ملعون ہے۔"

اور یہ بات ائمہ کی ایک جماعت سے متنازع فیہا احکام و مسائل کے ضمن میں

(1) حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما مشہور اور جلیل القدر صحابی رسول ہیں' علم و عمل میں بے حد نمایاں مقام پر فائز تھے' 'غزوہ خندق' میں شریک ہوئے' 'بیعت رضوان کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے' آنحضرت ﷺ نے آپکی تعریف فرمائی اور آپ کو صالح قرار دیا ہے۔ ۷۳ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کے حالات کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو: اسد الغابة ۳/ ۳۴۰' الاصابة ۱/ ۳۳۸' تاریخ بغداد ۱/ ۱۷۱' تذکرة الحفاظ ۱/ ۳۷' خلاصة ۱۷۵' شذرات ۱/ ۸۱' طبقات ابن سعد ۴/ ۱۰۵' طبقات الشیرازی ۴۹' طبقات القراء لابن الجزری ۱/ ۴۳۷' النجوم الزاهرة ۱/ ۱۹۲' نکت الهمیان ۱۸۳' طبقات الحفاظ ۹/ ۱۷' (سیف)

منقول ہے۔ ان احکام کا تعلق شراب' ربا اور دیگر امور کے ساتھ ہے۔

اگر شرعی لعنت اور اس قسم کی دیگر وعیدوں کا اطلاق صرف ایسے مسائل پر کیا جا سکتا ہے' جو متفق علیہ ہیں اور ان میں کوئی نزاع نہیں پایا جاتا' تو مذکورہ بالا ائمہ و علماء نے گویا ایسے لوگوں کو لعنت کا مصداق ٹھہرایا' جو اس کے سزاوار نہ تھے۔ بایں طور وہ خود اس وعید کے مستحق ٹھہرے جو اگلی حدیث میں مذکور ہے:

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"کسی مسلم کو ملعون ٹھہرانا' اس کو قتل کرنے کے مترادف ہے"(۱)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"کسی مسلم کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑنا کفر ہے"(۲)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

"دوسروں پر لعنت طعن کرنے والے روز قیامت سفارش اور شہادت کے قابل نہیں ہوں گے۔"(۳)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

"صدیق کے لیے موزوں نہیں کہ وہ کسی پر لعنت کرنے والا بنے"(۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "وہ شخص مومن نہیں جو دوسروں پر لعنت و ملامت و طعن و تشنیع کرے' فحش گوئی اور بدزبانی سے کام لے"(۵)

---

(۱) صحیح بخاری و مسلم بروایت ثابت بن ضحاک انصاری (یہ طویل حدیث کا ایک جزء ہے)

(۲) صحیح بخاری و مسلم' (۳) رواہ مسلم ' (۴) رواہ مسلم

(۵) اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن کے درجہ کی ہے۔ نیز اسے امام احمد نے مسند میں اور امام بخاری نے "الادب المفرد" میں روایت کیا ہے۔ محدث ابن حبان اور حاکم نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

ایک موقوف حدیث میں یوں ارشاد فرمایا:

"جو شخص کسی پر لعنت کرتا ہے' حالانکہ وہ لعنت کا سزاوار نہیں' تو لعنت اس شخص پر لوٹ کر آجاتی ہے۔"(۱)

مندرجہ بالا حدیث سے جو کہ لعنت کی وعید سے متعلق ہے' واضح ہوا کہ جس شخص نے کسی پر لعنت کی اور وہ اس کا سزاوار نہیں تو لعنت کرنے والا خود ہی ملعون ٹھہرے گا' نیز یہ کہ لعنت کرنا فاسق شخص کا کام ہے اور بلا جواز دوسروں پر لعنت کرنے والا خود ہی ملعون ٹھہرے گا اور اس کی بناء پر ایک شخص صدیقیت' شفاعت اور شہادت کے مرتبہ و مقام سے سے گر جاتا ہے۔

نظر بریں جو شخص ایک ایسے کام کا ارتکاب کرتا ہے جو متنازع فیہ ہے' تو وہ اس نص میں داخل نہیں ہوگا اور اس لیے وہ اس لعنت کا سزاوار بھی نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس پر لعنت کرنے والا شخص بذات خود ملعون ٹھہرے گا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن مجتہدین نے متنازع فیھا مسائل کو بھی اس حدیث میں شامل کیا ہے' وہ خود اس وعید کے مستحق قرار پائے۔

خلاصہ یہ کہ متنازع فیھا مسائل کو اس حدیث میں شامل کیا جائے یا نہ کیا جائے دونوں صورتوں میں جب اعتراض ہر حال میں قائم رہتا ہے' تو اس کے معنی یہ ہیں کہ سرے سے یہ اعتراض ہی درست نہیں اور اس حدیث سے استدلال بالکل جائز اور درست ہے۔ اور جب ہر دو صورتوں میں اعتراض ثابت نہیں' تو گویا اعتراض کا کوئی وجود ہی نہیں۔

اس کی مزید توضیح یہ ہے کہ جب دونوں صورتوں میں تلازم ثابت ہو گیا اور یہ بات نکھر کر سامنے آگئی کہ مجتہدین کی اس وعید میں شمولیت اس اعتراض کے وجود کی صورت اس بات کو مستلزم ہے کہ اعتراض کے عدم وجود کی صورت میں بھی وہ اس میں شامل ہوں

---

(۱) اس حدیث کو ابو داؤد' ترمذی' اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"ایک شخص نے جو کہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا' آندھی پر لعنت کی' حضور ﷺ نے فرمایا: آندھی پر لعنت مت کر' یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابند ہے' جس شخص نے کسی پر لعنت کی' جبکہ وہ اس کا اہل نہیں' تو لعنت لوٹ کر اسی شخص پر آجاتی ہے۔"

گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک بات ضرور ثابت ہو گی۔

ا۔ایک یہ کہ لازم وملزوم دونوں موجود ہوں ہوں گے' یعنی مجتہدین اور دیگر سب اس زمرہ میں شامل ہوں گے۔

۲۔دوسرا یہ کہ لازم وملزوم دونوں معدوم ہوں گے' یعنی مجتہدین اس میں شامل نہیں ہوں گے' اس لیے کہ جب ملزوم پایا جائے گا' تو لازم بھی موجود ہو گا اور جب لازم معدوم ہو گا' ملزوم بھی غیر موجود ہو گا۔

مذکورہ بالا سوال کے باطل ہونے کے لیے صرف اتنی بات کافی ہے' مگر ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ مجتہدین مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں اس وعید میں شامل نہیں ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وعید میں شمولیت کے لیے یہ شرط ہے کہ بالفعل کوئی عذر موجود نہ ہو اور جو شخص شرعی اعتبار سے معذور ہو' وہ کسی طرح بھی اس وعید میں شامل نہیں' ظاہر ہے کہ مجتہد صرف معذور ہی نہیں' بلکہ ماجور بھی ہے' اس لیے اس وعید میں شامل نہیں اور اس میں شمولیت کی شرط مفقود ہے۔ قطع نظر اس سے کہ مجتہد اس ضمن میں وارد شدہ حدیث کو ظاہری معنی پر ہی محمول کرتا ہو یا اس میں کسی اختلاف کا قائل ہو اور یہ ایک ایسا الزام ہے' جس سے فرار کی مندرجہ ذیل صرف ایک صورت ہے۔

ایک ضروری سوال

ایک معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ بعض علمائے مجتہدین متنازع فیہا مسائل کے مرتکب کو بھی وعید کا مستحق قرار دیتے ہیں' چنانچہ جن افعال کے مرتکب کو لعنت کا مستحق قرار دیا گیا ہو' وہ اس کو ملعون ٹھہراتے ہیں' مگر مجتہد یہ عقیدہ رکھنے میں حق بجانب نہیں' تاہم اس کو اس غلط اجتہاد کے باوجود معذور اور عنداللہ ماجور تصور کیا جائے گا۔اس لیے کہ وہ اس وعید کا مستحق نہیں ہو گا' جو بلاجواز لعنت کرنے والے کے بارے میں وارد ہوئی ہے' کیونکہ میرے نزدیک اس وعید کا مورد وہ شخص ہے' جو ایسے شخص پر لعنت کرے' جس پر لعنت کرنا بالاتفاق حرام اور ممنوع ہے اور جب کسی چیز پر لعنت کرنے کا مسئلہ متنازع فیہا ہو' تو لعنت کرنے والا ان احادیث کا مصداق نہیں ہو گا جو وعید پر مشتمل ہیں۔یہ بالکل اسی طرح ہے

جس طرح اس شخص پر جو ایسا کام کرے' جس کی حلت و حرمت متنازع فیہا ہو' وعید پر مشتمل احادیث کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔

نظر بریں جس طرح پہلی وعید سے متنازع فیہا مسائل کو خارج کیا گیا ہے بعینہ اسی طرح دوسری وعید سے بھی اس قسم کے مسائل کو خارج تصور کیا جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ وعید پر مشتمل دونوں قسم کی احادیث میں متنازع فیہا احکام و مسائل سرے سے شامل ہی نہیں۔ اسی طرح ان احادیث کے نہ تو ایسے افعال کے جائز ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اور نہ ان کے مرتکب کو ملعون ٹھہرانے کا تذکرہ شامل ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ اس فعل کو جائز تصور کرتا ہے' یا ناجائز۔

بہر کیف میں ان دونوں صورتوں میں نہ تو ان افعال کے مرتکب کو لعنت کا سزاوار ٹھہراتا ہوں اور نہ ہی اس شخص پر لعنت کرنے کو جائز سمجھتا ہوں' جو ان افعال کے مرتکب کو ملعون قرار دیتا ہے۔ میری رائے میں ان افعال کا ارتکاب کرنے والا اور مرتکب پر لعنت کرنے والا دونوں سرے سے اس وعید میں شامل نہیں۔ علاوہ ازیں جو ان افعال کے مرتکب کو ملعون قرار دیتا ہے' میں اس پر بھی اس شدت کو روا نہیں رکھتا' جو ان لوگوں کا شیوہ ہے جو اس وعید کا مصداق ٹھہراتے ہیں بلکہ وہ اس کو اسی طرح لعنت کا مستحق ٹھہراتے ہیں جس طرح متنازع فیہ فعل کے مرتکب کو۔ میرے نزدیک اس کا یہ فعل اجتہادی امور میں سے ایک ہے اور وہ اس میں اسی طرح غلطی پر ہے' جیسے وہ شخص جو اس فعل کو مباح تصور کرتا ہے۔ دراصل یہاں نزاع و خلاف تین باتوں میں پایا جاتا ہے:

۱۔ یہ امور جائز اور مباح ہیں۔

۲۔ یہ افعال ممنوع ہیں اور ان کا ارتکاب کرنے والا وعید کا مستحق ہے۔

۳۔ یہ افعال اگرچہ حرام ہیں' مگر ان کا مرتکب وعید کا سزاوار نہیں ہے۔

میرے نزدیک تیسرا قول صحیح تر ہے' اس لیے کہ فعل کی حرمت مبنی بر دلیل ہے۔ متنازع فیہا افعال کے مرتکب پر لعنت کرنا بھی دلیل کی رو سے حرام ہے۔ اس کے باوجود یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ ان افعال کے مرتکب اور اس پر لعنت کرنے والے کے بارے میں جو

حدیث وارد ہے' وہ ان دونوں صورتوں پر مشتمل نہیں ہے۔

جواب

مذکورہ بالا سوال کے بارے میں جواباً کہا جائے گا کہ ان افعال کے مرتکب پر لعنت کرنا اگر تمھارے نزدیک اجتہادی مسائل میں شمار ہوتا ہے[1] تو اس کے اثبات میں ظاہری نص کے ساتھ استدلال کرنا جائز ہوگا۔ اندریں صورت متنازع فیہا مسائل اس وعید میں شامل ہوں گے۔ لہذا اس وعید کی تعمیل ازبس ناگزیر ہوگی اور اگر تمھاری رائے میں یہ اجتہادی مسائل میں شامل نہیں' تو ان افعال کے مرتکب پر لعنت کرنا قطعی طور پر حرام ٹھہرے گا۔

اور اس میں شبہ نہیں کہ جو شخص کسی مجتہد پر لعنت کرے' حالانکہ یہ فعل قطعی حرام ہے' تو وہ شخص اس وعید کا مستحق ہوگا' جو لعنت کرنے والے کے ضمن میں وارد ہوئی ہے' خواہ وہ تاویل کرنے والا ہی کیوں نہ ہو' جیسے وہ شخص جو سلف صالحین کو ملعون ٹھہرائے۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ متنازع فیہا مسائل کے مرتکب پر لعنت کرنا حرام قطعی ہو یا اختلافی ہو' دونوں صورتوں میں دور لازم آتا ہے۔ مزید برآں معترض نے جس عقیدے کا ذکر کیا ہے' اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں صورتوں میں وعید پر مشتمل نصوص سے استدلال کرنا سرے سے درست ہی نہ ہوا اور یہ امر مزید توضیح کا محتاج نہیں۔

معترض سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سابقہ توجیہات سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ متنازع فیہا مسائل بھی وعید میں شامل ہوں بخلاف ازیں ہمارا مقصد صرف وعید کے سلسلے میں وارد شدہ حدیث کی تحقیق و تنقیح ہے کہ آیا اختلافی امور اس میں شامل ہیں یا نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ حدیث میں مذکورہ امور کی حرمت ۲۔ ان کے مرتکب کے بارے میں وعید۔

مگر معترض نے جو کچھ کہا ہے اس سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مذکورہ حدیث وعید

(۱) اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: مجموعۃ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱۳ اقامۃ الدلیل علی ابطال التحلیل ص ۴۷ (سیف)

پر دلالت نہیں کرتی۔

ہمارا مقصد یہاں صرف اس امر کا ذکر و بیان ہے کہ محولہ بالا حدیث اس میں ذکر کردہ افعال کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ جب معترض اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ لعنت کرنے والے کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں' وہ اختلافی مسائل کو شامل نہیں' تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ متنازع امور پر لعنت کی حرمت کسی دلیل سے ثابت نہ ہوئی' حالانکہ یہاں جو مسئلہ زیر بحث تھا' وہ متنازع فیہا مسائل کی لعنت سے متعلق تھا اور جب ان کی حرمت ثابت نہ ہوئی' تو وہ جائز اور حلال ٹھہرے۔

مزید بر آں معترض سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب ان افعال کی حرمت ثابت نہیں ہو سکتی' تو ان کی حرمت کا عقیدہ رکھنا درست نہ ہوا' بخلاف ازیں وہ جائز اور مباح ٹھہرے اور اس کی دلیل وہ احادیث ہیں' جن میں ان کے مرتکب کو ملعون قرار دیا گیا ہے' مگر اس کے ساتھ ساتھ علماء نے اس پر لعنت کرنے میں اختلاف کیا ہے۔ اندریں صورت ان پر لعنت کرنے کی حرمت کسی دلیل سے ثابت نہ ہوئی۔ لہذا اس دلیل پر عمل لازم ٹھہرا جو لعنت کے جواز کا تقاضا کرتی ہے۔ خصوصاً جبکہ اس کا کوئی معارض بھی موجود نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے معترض کے اعتراض کا باطل ہونا لازم آتا ہے' گویا یہ دوسرا دور ہے جو معترض کے موقف کو تسلیم کرنے کی صورت میں لازم آتا ہے۔ یہ دوسرا دور اس لیے لازم آیا کہ عام نصوص جن میں لعنت کو حرام ٹھہرایا گیا ہے' وعید پر مشتمل ہیں۔

اگر وعید پر مشتمل نصوص سے متنازع فیہا مسائل کے بارے میں استدلال درست نہیں' تو اسی مفروضہ کی بناء پر اختلافی مسائل پر لعنت کرنے کے سلسلے میں بھی ان سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

اگر معترض یہ کہے کہ میں لعنت کی حرمت پر اجماع سے استدلال کرتا ہوں تو اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ علماء کا اجماع تو اس بات پر منعقد ہوا ہے کہ کسی عالم کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا حرام ہے۔

جہاں تک زیر بحث لعنت کا تعلق ہے' اس میں جو اختلاف پایا جاتا ہے' وہ آپ جان

ہی چکے ہیں۔ مزید بر آں آپ پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ جب کسی کے اوصاف ذکر کر کے اس پر لعنت کی جائے' تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں موصوف کے سب افراد از خود شامل ہو جاتے ہیں' بلکہ افراد اس صورت میں شامل ہوتے ہیں' جب وہ بیان کردہ شروط کے حامل ہوں اور وہاں کوئی مانع بھی موجود نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہاں صورت حال یہ نہیں ہے۔

ہاں! معترض کو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ قبل ازیں اس ضمن میں جو دلائل و براہین دیے گئے ہیں کہ مذکورہ احادیث کا مورد متفق علیہ مسائل نہیں' وہ سب دلائل یہاں صادق آتے ہیں۔ ان دلائل سے نہ صرف یہ اعتراض بلکہ سابقاً ذکر کردہ وہ سوال بھی باطل ٹھہرتا ہے۔

یہاں معاملہ یوں نہیں کہ ہم اس دلیل کو دوسری دلیل کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ کے طور پر بیان کر رہے ہیں حتی کہ یہ کہا جا سکے کہ یہ طوالت لاطائل ہے اور دونوں دلیلوں کا حاصل ایک ہے۔ اس لیے کہ ہمارا مقصد محض اس بات کو واضح کرنا ہے کہ ان کا مفروضہ دونوں صورتوں میں لازم آتا ہے' اس لیے گویا وہ اعتراض ہی نہیں۔ نیز یہ کہ ایک ہی دلیل سے دو باتیں کھل کر سامنے آتی ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ منصوص میں مقام نزاع و خلاف کون سا ہے؟

۲۔ دوسرے یہ کہ اس پر کوئی اعتراض تو وارد نہیں ہوتا؟

مزید بر آں اس میں کوئی حرج نہیں کہ جس امر کو ہم کسی مسئلہ کی دلیل بنا رہے ہیں وہ کسی دوسرے مسئلے کی دلیل کا مقدمہ بن جائے۔ اگرچہ یہ دونوں مسئلے جن کی دلیل مطلوب ہے' باہم لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہوں۔

یازدھم: سابقاً ذکر کردہ سوال کا گیارھواں جواب یہ ہے کہ علماء اس امر پر متفق ہیں کہ جن احادیث میں کسی چیز کی حرمت کا ذکر کر کے اس پر وعید کا تذکرہ کیا گیا ہے' وہ احادیث واجب العمل ہیں۔ علماء کے یہاں جو خلاف و نزاع پایا جاتا ہے' وہ صرف اس بات میں ہے کہ وعید پر مشتمل احادیث جب آحاد کی حیثیت رکھتی ہوں تو آیا ان پر عمل کیا جائے گا کہ نہیں؟ جہاں تک ان احادیث سے اس چیز کی حرمت ثابت کرنے کا تعلق ہے' اس

میں کوئی قابلِ ذکر نزاع موجود نہیں۔

بلاشبہ حضرات صحابہ' تابعین اور فقہاء کرام رضی اللہ عنہم اپنی تصانیف و رسائل میں ہمیشہ ان احادیث سے استدلال کرتے رہے ہیں' بلکہ جب کوئی حدیث وعید پر مشتمل ہو تو اس چیز کی حرمت ثابت کرنے میں مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ جو علماء ایسی چیز کی حرمت اور وعید کا عقیدہ رکھتے ہیں' ان کا قول راجح ہے' جمہور کا مسلک بھی یہی ہے۔ نظر بریں ایک متفق علیہ بات کے خلاف کسی کا قول قابل قبول نہیں۔ (۱)

(۱) قابل تعجب بات یہ ہے کہ یہ لوگ احادیث نبویہ کی طرف تو رجوع نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ مفید علم نہیں مگر ان ذہنی خیالات اور باطل شبہات کو اختیار کر لیتے ہیں' جو انھوں نے فلاسفہ' جہمیہ اور معتزلہ سے لیے ہوتے ہیں اور انھیں یہ عقلی براہین کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ شیخ اسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ احادیث کی دو قسمیں ہیں: ا۔ متواتر ۲۔ آحاد اور پھر متواتر احادیث کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں کہ احادیث کی دوسری قسم وہ ہے' جسے صرف ایک عادل راوی نے روایت کیا ہو اور اس کے الفاظ اور معنی تواتر سے تو ثابت نہ ہوں لیکن امت نے اسے اپنے عمل یا تصدیق کے ذریعہ قبول کیا ہو۔ مثلاً حدیث عمر بن خطاب اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔۔۔ یہ احادیث اولین اور آخرین میں سے جمہور امت محمدیہ کے نزدیک ایک مفید علم ہیں اور سلف میں اس مسئلہ میں کوئی نزاع نہ تھا۔ باقی رہے خلف تو اصحاب ائمہ اربعہ میں سے فقہاء کبار کا بھی مذہب ہے۔ حنفیہ' مالکیہ' شافعیہ اور حنابلہ سب کی کتابوں میں یہ مسئلہ منقول ہے مثلاً حنفیوں میں سے سرخسی اور ابوبکر رازی نے' شافعیوں میں سے شیخ ابو حامد' ابو الطیب اور شیخ ابو اسحاق نے' مالکیوں میں سے ابن خواز منداد وغیرہ نے' حنبلیوں میں سے قاضی ابو یعلی' ابن ابی موسیٰ اور ابن خطاب نے اور متکلمین میں سے ابو اسحاق اسفرائینی' ابن فورک اور ابو اسحاق نظام وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ تمام اہل حدیث کا مذہب بھی یہی ہے' جو شیخ ابو عمر نے بیان کیا ہے' جمہور کی دلیل یہ ہے کہ امت کا کسی حدیث کو تصدیقاً یا عملاً قبول کرنا گویا اجماع امت ہے۔ اور تمام امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ (ماخوذ از الصواعق المرسلة لابن قیم)

جب دلائل و براہین سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ امت۔۔۔ جس میں فقہاء اربعہ' ائمہ نظار و متکلمین اور اہل حدیث شامل ہیں۔۔۔ کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ اخبار آحاد جن میں وعید حرمت کے انداز میں بیان کی گئی ہے' ان پر عمل کرنا واجب ہے' ہاں البتہ اس مسئلہ میں ابن الباقلانی' ابو المعالی' غزالی اور ابن عقیل جیسے چند لوگوں نے اختلاف کیا ہے' جیسا کہ حافظ ابن قیمؒ نے الصواعق میں بیان کیا ہے اور پھر خبر واحد کی حجیت و قبولیت کے سلسلہ میں انھوں نے اکیس دلائل ذکر فرمائے ہیں۔ اور پھر لکھا ہے کہ خبر واحد کے مفید علم ہونے کا صرف وہی شخص انکار کر سکتا ہے' جو نقل' عقل اور اور حس و مشاہدہ کا منکر ہو' بعض لوگوں سے جو اس کی مخالفت منقول ہے' تو وہ ان کا اپنا اجتہاد ہے اور وہ اس سلسلہ میں معذور ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہؒ ج ۲' کتاب الربوبیہ ج ۴ کتاب مفصل الاعتقاد (سیف)

دوازدھم: بارھواں جواب یہ ہے کہ کتاب و سنت میں وعید پر مشتمل نصوص بے شمار ہیں اور ان پر بطریق عموم و اطلاق عمل کرنا واجب ہے' البتہ کسی شخص کی تعیین و تخصیص درست نہیں۔ مثلاً نام لے کر یوں کہنا درست نہیں کہ وہ ملعون یا مغضوب یا جہنمی ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ شخص اعمال صالحہ کا حامل ہو۔

غیر انبیاء سے صغائر و کبائر کے صدور کا احتمال

اس لیے کہ انبیاء کو چھوڑ کر دوسرے لوگ صغائر و کبائر کے مرتکب ہو سکتے ہیں بلکہ اس کے باوصف وہ صدیق' شہید اور صالح بھی ہو سکتے ہیں۔ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ گناہ' توبہ' استغفار' اعمال صالحہ' آلام و مصائب' شفاعت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے معاف ہو سکتے ہیں: قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَّ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا (النساء : ۱۰)

جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں' وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

پھر فرمایا:

﴿ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴾ (النساء۔ ۱٤)

اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے نکل جائے گا' اس کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈال دے گا' جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت کا عذاب ہو گا۔

پھر ارشاد فرمایا:

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ

تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۝ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴾(۱)

مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ' ہاں! اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ ہو جائے تو وہ جائز ہے) اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے اور جو تعدی ظلم سے ایسا کرے گا' ہم اس کو عنقریب جہنم میں داخل کریں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کو آسان ہے۔

ان کے علاوہ دیگر آیات کریمہ بھی ہیں' جن میں وعید کا ذکر کیا گیا ہے۔

وعید پر مشتمل احادیث

ہم یوں کہہ سکتے ہیں' جس طرح حضور سرور کائنات ﷺ نے بعض احادیث میں فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے' جو شراب پیے یا اپنے والدین کی نافرمانی کرے یا زمین کے نشانات تبدیل کرے"(۲)

ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ چوری کرنے والے پر لعنت فرمائے(۳)

(۱) (النساء ۲۹-۳۰)

(۲) اس حدیث کو امام احمد' مسلم' اور نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے' ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو اپنے والدین پر لعنت کرے' اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے جو غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرے' اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو بدعتی شخص کو اپنے یہاں ٹھہرائے اور اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے جو زمین کے نشانات تبدیل کرے۔

(۳) بخاری و مسلم نے اس حدیث کو بروایت حضرت ابو ہریرہؓ ذکر کیا ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:
"اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرتے کہ وہ ایک انڈا چراتا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ اور وہ ایک رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔

آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ سود کھانے والے' کھلانے والے' اس کے دونوں گواہوں اور سود کی دستاویز لکھنے والے پر لعنت فرمائے" (۱)

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو زکوٰۃ ادا کرنے میں ٹال مٹول کرے اور اس پر بھی جو زکوٰۃ کی وصولی میں زیادتی کرے۔ (۲)

سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جس شخص نے مدینہ میں کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو جگہ دی اس پر اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت"(۳)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص تکبر کی بناء پر اپنی چادر لٹکائے' اللہ تعالیٰ روز قیامت اس پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ (۴)

---

(۱) محدث طبرانی نے اس حدیث کو بروایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ذکر کیا ہے۔ امام مسلم نے اس کو حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: "رسول کریم ﷺ نے سود خور پر لعنت فرمائی"

(۲) اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں دو سندوں سے روایت کیا ہے۔ پہلی سند میں الحارث الاعور ضعیف راوی ہے۔ دوسری سند صحیح ہے' اس کے الفاظ یہ ہیں:

"اللہ تعالیٰ سود کھانے والے' کھلانے والے' سودی دستاویز کے کاتب اور گواہوں پر جب انھیں معلوم ہو کہ یہ سود کی دستاویز ہے لعنت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اس عورت پر لعنت کرے جو اپنی خوبصورتی بڑھانے کے لیے اپنے یا کسی اور عورت کے جسم پر تصویریں گدوائے۔ اللہ تعالیٰ لعنت کرے زکوٰۃ کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے والے پر اور اس شخص پر جو مدینہ ہجرت کرنے کے بعد پھر دیہاتی بن جائے۔ اب سب لوگوں پر روز قیامت نبی اکرم ﷺ کی لعنت ہو گی۔"

(۳) اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح کے صفحہ ۹۹۵ پر حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: "اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے فرائض و نوافل کو قبول نہیں کرتا۔ سب مسلمانوں کی حیثیت یکساں ہے۔ ان میں سے ایک معمولی شخص بھی ذمہ داری کا حامل ہے۔ جو شخص کسی دوسرے شخص کو اپنا والد یا آقا ظاہر کرے' اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کے فرائض و نوافل کو قبول نہیں کرتا"۔

(۴) اس حدیث کو امام احمد' بخاری و مسلم اور اصحاب سنن (ابوداؤد' نسائی' ترمذی' اور ابن ماجہ) نے روایت کیا ہے۔

آپ کا ارشاد گرامی ہے:

"جس شخص کے دل میں ذرہ بھر تکبر ہو گا' اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل نہیں کرے گا۔"(۱)

ایک حدیث میں فرمایا: "جس نے ہمیں دھوکہ دیا' وہ ہم میں سے نہیں۔(۲)

سرور کائنات ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"جس شخص نے اپنے آپ کو کسی اور شخص کی جانب اپنے والد یا آقا کی حیثیت سے منسوب کیا' اس پر جنت حرام ہے۔"(۳)

آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی اور شخص کا مال حاصل کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھائی' وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہو گا۔" (۴)

حدیث میں فرمایا: جس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر کسی کے مال کو اپنے لیے حلال تصور کر لیا' اللہ تعالیٰ نے جہنم کو اس کے لیے واجب اور جنت کو حرام کر دیا ہے۔(۵)

ایک حدیث میں یوں وارد ہوا ہے: "قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔"(۶)

---

(۱) اس حدیث کو صحیح مسلم میں صفحہ ۹۳ پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے۔

(۲) اس حدیث کو ترمذی نے انہی الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام مسلم کے الفاظ بھی اس سے ملتے جلتے ہیں۔

(۳) اس حدیث کو امام احمد' بخاری' مسلم' ابو داؤد اور ابن ماجہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:
"جو شخص جانتے بوجھتے اپنے آپ کو بحیثیت والد کے کسی اور شخص کی طرف منسوب کرتا ہے اس پر جنت حرام ہے۔"

(۴) اس حدیث کو امام احمد' بخاری' مسلم' اور اصحاب سنن نے بروایت اشعث بن قیس و ابن مسعود رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے۔

(۵) اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح کے صفحہ ۱۲۳ پر حضرت ابو امامہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: "جس نے قسم کھا کر کسی مسلم کا حق غصب کر لیا' اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جہنم کو واجب اور جنت کو حرام ٹھہرا لیا ہے۔

(۶) اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح کے صفحہ ۹۸۱ پر نقل کیا ہے۔ امام بخاری نے یہ حدیث اپنی کتاب "الادب المفرد" میں ذکر کی ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث کو امام احمد' بخاری' ابو داؤد اور ترمذی نے اس سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور اس قسم کی دیگر احادیث جن میں کسی وعید کا ذکر کیا گیا ہے' مگر یہ بات درست نہیں کہ وعید پر مشتمل احادیث کی بناء پر کسی شخص کا نام لے کر یہ کہا جائے کہ چونکہ اس نے یہ کام کیا ہے' اس لیے وہ اس وعید کا مصداق ہے' اس لیے کہ ممکن ہے اس نے توبہ کر لی ہو۔ کوئی ایسا کام کیا ہو جس کی بناء پر سزا ساقط ہو گئی ہو۔

یوں کہنا بھی درست نہیں کہ فلاں فعل کی بناء پر تمام اہل اسلام یا پوری امت محمدیہ یا اس امت کے صدیقین اور صالحین ملعون ہیں' اس لیے کہ اگر کسی صدیق اور صالح شخص سے ایسا فعل صادر ہو جائے' تو کسی مانع کی بناء پر وعید اس سے ٹل سکتی ہے' حالانکہ وعید کا سبب موجود ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جو شخص اپنے اجتہاد یا تقلید یا کسی اور وجہ سے ان امور کو مباح سمجھ کر انجام دیتا ہے' اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا شمار ان صدیقین کے زمرہ میں ہوتا ہے جو کسی مانع کی بناء پر اس وعید کے مصداق نہیں ٹھہرتے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کسی شخص سے وعید اس لیے ٹل جائے کہ اس نے توبہ کر لی یا گناہوں کو مٹانے والے اعمال صالحہ انجام دیے۔

غلط انداز فکر

خوب جان لینا چاہیے کہ مندرجہ بالا مسلک اعتدال پر گامزن رہنا ضروری ہے۔ اگر اس کو نظر انداز کر دیا جائے' تو مندرجہ ذیل دو انداز فکر نہایت خطرناک ہیں:

۱۔ ایک انداز فکر یہ ہے کہ جو شخص بھی ان امور کا مرتکب ہوگا' وہ وعید کا مصداق ہوگا۔ اس لیے کہ وعید پر مشتمل نصوص پر عمل اسی صورت میں ممکن ہے۔ یہ زاویہ نگاہ خوارج و معتزلہ کے قول سے بھی قبیح تر ہے جو گناہوں کے ارتکاب کو کفر قرار دیتے ہیں۔(۱)

(۱) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اسلام میں جو سب سے پہلی بدعت اور سنن و آثار کی مخالفت میں نمایاں بدعت ظاہر ہوئی' وہ دائرہ اسلام سے خارج فرقہ حروریہ کی بدعت تھی' اسی فرقہ کا وہ بانی تھا' جس نے آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ کہا: "یا محمد! انصاف کیجیے' آپ نے انصاف نہیں کیا' آپ نے اس فرقہ کے قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا' چنانچہ حضرات صحابہ کرام نے حضرت علیؓ کی قیادت میں اس فرقہ کے خلاف جہاد کیا۔ اس فرقہ کے لوگوں کے نشانات اور اس کے خلاف جہاد کے سلسلہ میں احادیث حد تواتر کو پہنچی

دین اسلام کے اصول و ضوابط کی روشنی میں اس کا باطل ہونا واضح ہے' مگر اس کے دلائل و براہین یہاں بیان نہیں کیے جا سکتے۔

۲۔ دوسرا طرز فکر یہ ہے کہ احادیث نبویہ کو قولاً و عملاً یہ سمجھتے ہوئے ترک کر دیا جائے کہ ان پر عمل کرنے سے ان لوگوں کی تردید لازم آتی ہے' جو ان کے مخالف ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ احادیث کو ترک کر کے آدمی گمراہ ہو جاتا ہے اور ان اہل کتاب میں شمار ہونے لگتا ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا بنا لیا تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اہل کتاب نے ان علماء اور درویشوں کی عبادت نہیں کی تھی بخلاف ازیں ہوا یہ کہ علماء نے جب حرام اشیاء کو ان کے لیے حلال ٹھہرایا تو اہل کتاب نے ان کی پیروی کی اور جب علماء نے ان کے لیے حلال کو حرام قرار دیا' تو وہ ان کی اطاعت کرنے لگے۔"(۱)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہوئی ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ خوارج کے بارے میں حدیث دس صحیح سندوں سے مروی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی نماز کو ان کی نماز کے مقابلہ میں' اپنے روزہ کو ان کے روزہ کے مقابلہ میں اور اپنی تلاوت کو ان کی تلاوت کے مقابلہ میں حقیر جانو گے۔ یہ لوگ قران تو پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلقوں سے آگے نہ جائے گا۔ وہ دائرہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح کمان سے تیر نکل جاتا ہے۔ تو ان سے جہاں بھی ملو انھیں قتل کر دو۔ جو شخص انھیں قتل کرے گا قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں سے اجر و ثواب ملے گا۔ انکی دو بڑی نشانیاں ہیں جن کی وجہ سے یہ مسلماوں اور ان کے ائمہ سے الگ ہیں:

۱۔ یہ لوگ سنت رسول ﷺ سے باغی ہیں۔ جو برائی نہیں اسے برائی اور جو نیکی نہیں اسے یہ نیکی سمجھتے ہیں اور ۲۔ گناوں کے ارتکاب کو کفر سمجھتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں یہ ہوتا ہے کہ یہ مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کی بے حرمتی کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور دار السلام کو دار الحرب اور اپنے علاقوں کو دار الامان قرار دیتے ہیں۔ مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ج ۱۹ ص ۷۳ (سیف)

(۱) اس حدیث کو امام احمد' ترمذی اور ابن جریر نے متعدد سندوں سے حضرت عدی بن حاتم طائی سے روایت کیا ہے۔ عدی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' تو آپ مندرجہ بالا آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ عدی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اہل کتاب علماء اور درویشوں کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ حضور نے یہ سن کر فرمایا' ہاں! یہ ٹھیک ہے کہ علماء نے جب ان کے لیے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا تو اہل کتاب نے ان کی پیروی کی اور اسی تحلیل و تحریم کا نام عبادت ہے۔

اس تحلیل و تحریم کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ایسی باتوں میں دوسروں کی اطاعت کرنے لگتی ہے، جن سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہے۔ بلآخر یہ خرابی عاقبت اور مندرجہ ذیل آیت کی غلط تأویل پر منتج ہوتی ہے۔ قرآن عزیز میں فرمایا:

﴿ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلاً ﴾ (النساء ۵۹)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو، اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی پیروی کرو اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو، تو اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت ہی اچھی بات ہے اور اس کا نتیجہ بھی اچھا ہے۔

یہ امر پیش نظر رہے کہ علماء کے یہاں بکثرت مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہر وہ حدیث جس میں کسی شدت کا ذکر کیا گیا ہو اور کسی عالم نے بناء بر شدت اس کی مخالفت کی ہو، اس عالم نے یا تو اس حدیث میں مذکور شدت کو نظر انداز کر دیا یا سرے سے اس حدیث کے مطابق عمل کیا ہی نہیں۔ ظاہر کہ اس سے اس شخص کا کفر اور دین سے خارج ہونا لازم آتا ہے نیز یہ کہ یہ بات اگر سابق الذکر سہل انگاری سے بڑھ کر نہیں تو کسی طرح اس سے کم بھی نہیں۔

پوری شریعت کی پیروی لازم ہے

مذکورہ بالا بیانات اس حقیقت کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ ہمیں تمام کتاب اللہ پر ایمان لانا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ جملہ احکام کی اطاعت کرنی چاہیے۔ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ کتاب الٰہی کے ایک حصہ پر ایمان لائیں اور دوسرے کا انکار کریں۔ علی ہذا القیاس بعض احادیث نبویہ کو مانیں اور بعض سے محض اس لیے نفرت کریں کہ وہ ہماری نفسانی خواہشات سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ بعض احادیث کو تسلیم کرنے اور بعض سے انکار کرنے

کے معنی تو یہ ہیں کہ ہم صراط مستقیم کو چھوڑ کر ان گمراہ فرقوں کی پیروی کر رہے ہیں' جو غضب الٰہی کا ہدف قرار پا چکے ہیں۔ بارگاہ ربانی میں دعاء ہے کہ وہ ہمیں اپنے پسندیدہ اقوال و اعمال انجام دینے کی توفیق ارزانی فرمائے' جن میں سب اہل اسلام کی فلاح و بہبود مضمر ہو۔

والحمد للّٰہ رب العالمین و صلی اللّٰہ علی محمد خاتم النبیین و علی آلہ و اصحابہ المهتدین وازواجه امهات المؤمنین و التابعین لهم باحسان الی یوم الدین و سلم تسلیما کثیرا

مترجم
غلام احمد حریریؒ
ڈی۔۶۱' پیپلز کالونی۔ فیصل آباد
۲۴ دسمبر ۱۹۷۹ء مطابق ۲ صفر ۱۴۰۰ھ